وجادلهم بالتی هی احسن

مناظرہ کے اصول و احکام

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

ادارہ فیضان حضرت گنگوہی رح

ترتیب:

محمد زید مظاہری ندوی

مدرس و مفتی جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ ھتورا، باندہ

یوپی

Scanned by CamScanner

تفصیلات

باراول

سن اشاعت ______ ۱۴۱۲ ہج
کتابت ______ منظر نعمانی
طباعت ______
باہتمام ______ اقبال احمد قاسمی
قیمت ______ ۲۵ روپے

ملنے کے پتے

۱ ادارۂ افادات اشرفیہ ہتورا باندہ۔ پن ۲۱۰۰۰۱
۲ قاسمی دارالمبلغین دیوبند ۔ ۲۴۷۵۵۴
۳ مکتبہ حرار پوسٹ بکس ۲۷۴ لکھنؤ (یوپی)
۴ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یوپی)

ادارہ فیضان حضرت گنگوہی رح

ارشادِ گرامی

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادی دامت فیوضہم ۔۔۔۔

خلیفۂ اجل حکیم الامت حضرت تھانویؒ

ماشاء اللہ بہت خوب کام کیا، بیحد خوشی کی بات ہے، اس زمانہ میں ضرورت ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وافادات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے، حضرتؒ کی تعلیمات شریعت کا مغز وجوہر ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کی کتابت وطباعت واشاعت کے اسباب مہیا فرمائے، اس سے لوگوں کو استفادہ افادہ کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

: یکشنبہ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ :

پیش لفظ

مُناظرہ اس وقت بدنام شدہ لفظ ہے۔ عموماً اہل علم بھی مناظرہ کا لفظ سنتے ہی گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور مناظرہ کو متانت سنجیدگی کے خلاف بلکہ ناجائز سمجھتے ہیں۔ مناظرہ کا مفہوم ہی ان کے ذہنوں میں لڑائی جھگڑا انتشار اختلاف سے زیادہ کچھ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ "مناظرہ" ایک دینی اور شرعی ضرورت بلکہ تبلیغ کی ایک خاص قسم ہے خود قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ کہ مخالفین اسلام سے اچھے طریقہ سے مجادلہ کیجئے اس جگہ مجادلہ سے مراد بحث مناظرہ ہی ہے۔ اور بِالَّتِیْ ہِیَ اَحسن سے مراد یہ ہے کہ اگر دعوت میں کہیں بحث مناظرہ کی ضرورت پیش آجائے تو وہ مباحثہ بھی اچھے طریقہ سے ہونا چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے بادشاہ سے مناظرہ کیا جس کا تذکرہ سورۃ البقرہ میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مناظرہ کیا جس کی تفصیل سورۃ طہ میں ہے۔ خود سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے حالات پیدا ہوئے۔ کفارِ مکہ و اہل کتاب کے اعتراضات کے جوابات میں مناظرانہ انداز کی گفتگو کی گئی۔ اور قرآن حکیم نے الزامی جواب دے کر اُن کا منہ بند کیا۔ .... مناظرہ تو تبلیغ کی ایک قسم ہے اگر تبلیغ ضروری ہے تو مناظرہ بھی ضروری ہے اور تبلیغ کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی۔ کیونکہ یہ دین ابدی ہے اس لیے مناظرہ کی ضرورت بھی ہمیشہ باقی رہے گی۔ البتہ مناظرہ کے کچھ شرائط، اصول وضوابط ہیں نہ ہر ایک کے واسطے اور نہ ہر ایک کے لیے ہر حال میں مناظرہ درست ہے نہ مناسب ہے بلکہ اس کے لیے اہلیت بھی شرط ہے خصوصی حالات کا تقاضا بھی ضروری ہے۔ اس کے کچھ اصول وارکان اور آداب وشرائط بھی ہیں جنکا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ جنکا لحاظ نہ کرنے سے بجائے نفع کے نقصان ہو جاتا ہے ایسی صورتوں میں مناظرہ دفعۃً ناجائز اور حرام ہوگا۔ الغرض مناظرہ مستقل فن ہے جس کا استعمال حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اس کتاب میں اسی فن کے متعلق حضرت تھانوی رح کے علوم و افادات کو جمع کیا گیا ہے جسکا مطالعہ اہل علم کے لیے ضروری ہے۔ فقط۔ مرتب۔

Scanned by CamScanner

فہرست مضامین

عنوانات	صفحات	عنوانات	صفحات
باب (۱) فن مناظرہ	۹	سلف صالحین اور حضرات صحابہؓ	۱۹
فن مناظرہ مستقل فن ہے	//	کا مناظرہ	
مناظرہ کا ثبوت. ضرورت اور اسکا فائدہ	//	اہل اللہ کا تحریری مناظرہ	۲۰
مناظرہ کی اہمیت ، مناظرہ بھی دعوت	۱۰	مقاصد کے لحاظ سے مناظرہ	۲۱
وتبلیغ کی ایک قسم ہے۔	//	کے اقسام واحکام۔	
		بعض صورتوں میں مناظرہ کی ضرورت	۲۴
مناظرہ کی غرض وغایت	۱۱	اور اہل علم کی ذمہ داری۔	
مناظرہ کا فی نفسہ حکم	//	باب ۲: مناظرہ کے مفاسد و نقصانات	۲۵
فرض مناظرہ	//	آجکل مناظرہ کیوں مفید نہیں۔	//
واجب مناظرہ	۱۲	ممانعت کی بڑی وجہ	//
مستحب مناظرہ، مباح مناظرہ	۱۳	مروجہ مناظرہ میں ایک بڑی خرابی	۲۶
حرام مناظرہ	//	مناظرہ سے اہل باطل کو فروغ	//
ناجائز مناظرہ. مکروہ مناظرہ	۱۴	ہوتا ہے	
عوام کے شبہہ میں پڑجانے کے خوف		علماء سے بدگمانی اور گروہ بندیاں	۲۷
سے مناظرہ کرنا اور اس کی دو صورتیں	۱۵	توہین تذلیل، بدگمانی وبدنامی	
پیش آمدہ شبہات میں عوام کی ذمہ داری	۱۶	مناظرہ میں انبیاء کی توہین	۲۹
عوام کیلئے ضروری دستور العمل	۱۷	آج کل کے مناظروں میں اللہ	
مسائل فقہیہ واحکام ظنیہ میں مناظرہ	//	تعالےٰ کی توہین۔	۳۰
مناظرہ کے جواز کے شرائط۔	۱۹	حضرت امام ابوحنیفہ کی نصیحت	۳۱

عنوانات	صفحات
پہلے اور آج کل کے مناظروں کا فرق	۳۱
مناظرہ یا مشاجرہ	"
مروجہ مناظرہ حق کی تعیین کا معیار نہیں بن سکتا	۳۲
مروجہ مناظروں سے نفرت اور اس کے جواز میں شبہہ	۳۳
آج کل کے مناظرے اور مناظرہ بازی	۳۴
مناظرے بازی یا مولوی بازی۔	۳۵
آجکل کے مناظرین۔	۳۶
مناظرہ طالب علموں کا شطرنج ہے۔	۳۷
طلبہ کے مشقیہ مناظرے۔	۳۸
سلب ایمان کا خطرہ۔	۳۹
مناظرہ میں عوام طلبہ کی شرکت کا نقصان	"
مناظرہ سیکھنے کے بارے میں حضرت تھانویؒ کی رائے	۴۰
ضرورت کیوجہ سے شعبۂ مناظرہ کا قیام	"
دوران تعلیم شعبۂ مناظرہ میں حصہ لینے کا نقصان	"
باب (۳) مناظرہ کا متبادل	۴۱
قرآن مجید کا انداز	۴۲
انبیاء علیہم السلام کا طریقہ	۴۳
حضرت تھانویؒ کا معمول	۴۳
مناظرانہ انداز خلاف سنت ہے شر و فتنہ کو ختم کرنیکی آسان ترکیب	"
عوام الناس کی درخواست پر ان کے ہو کر مناظرہ کرنا	۴۵
بدگمانی و بداعتقادی کے خطرہ سے مناظرہ کرنا	"
حضرت مولینا خلیل احمد صاحب وحضرت تھانویؒ کا مکالمہ	۴۶
عوام کی ذمہ داری	۴۷
باب (۴) مناظرہ کب اور کہاں مفید ہے	"
مناظرہ کس سے کرنا چاہیئے	۴۸
معاند اور مجادل کو کبھی ہدایت نہیں ہوتی	"
مسلمانوں سے مناظرہ حتی الامکان نہیں کرنا چاہیئے	"
کفار سے مناظرہ میں عوام کی شرکت کا نقصان	۴۹

عنوانات	صفحات
اہل باطل کے شبہات یا مناظرہ کا عوام میں نقل کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں	۵۰
اعتراض وشبہات کے جلدی اور جواب کے دیر میں سمجھ میں آنیکی وجہ	"
باطل مسلک اور مناظرہ کی کتابیں بھی ہر ایک کو نہ دیکھنا چاہیئے	۵۲
باطل مسلک اور دوسرے مذاہب کے معلومات کی ضرورت	۵۵
عوام الناس کو مناظرہ ومباحثہ سے اجتناب کی ضرورت، ضروری دستور العمل	"
باب (۵)	
مناظرہ خطرناک چیز ہے ہر شخص کو نہیں کرنا چاہیئے	۵۷
غیر محقق کو مناظرہ کی اجازت نہیں	"
غیر محقق کے مناظرہ کرنیکا انجام (دو طالبعلموں کا قصہ)	۵۸
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قصہ	"
ایک عجیب واقعہ۔ بلا ضرورت	۵۹
اہل باطل سے ملنے اور مناظرہ سننے کا وبال	۶۰
دجال کا تصرف	۶۱
اہل باطل کے تصرفات زیادہ قوی کیوں ہوتے ہیں	"
مناظرہ سے بچنے کی تدبیریں اور جوابات۔ مناظرہ کا مطالبہ اور حضرتؒ کا جواب	۶۲
ایک ہندو کے حضرت تھانویؒ سے سوالات اور حضرت کا جواب	۶۳
طالب حق کو سمجھانے کیلئے حضرت تھانویؒ کا طریقہ اور معمول۔	۶۴
باب ۶ :- اصول وآداب۔	
فن مناظرہ میں اصول وآداب کی اہمیت۔	"
آج کل مناظرہ کرنیوالوں کی عام غلطی	۶۵
اہل حق اور اہل باطل کی پہچان کا طریقہ	۶۶
مناظرہ میں طعن وتشنیع سب وشتم سے احتراز	۶۷

عنوانات	صفحات
پہلے مقصد متعین کرلینا اور پھر دلائل تلاش کرنا غلط طریقہ ہے	٦٩
اہل حق و اہل باطل کا امتیازی فرق	″
شروع ہی سے اصول وضوابط اختیار کرنا چاہیئے۔	٧٠
باطل مسلک کی تردید کے درپے فوراً نہ ہونا چاہیئے	٧١
اصول میں مخالفت ہوتے ہوئے فروع کا جواب دینا چاہیئے۔	٧٢
نہایت اہم اصول مخالفین کے کن سوالوں کا جواب دنیا چاہیئے۔	٧٣
حق کی پہچان اور حق تک پہنچنے کا راستہ۔	٧٥
بدیہات میں مناظرہ نہیں ہوتا۔	٧٦
نہایت کارآمد اصول۔	٧٦
دلائل عقلیہ کی ضرورت کن احکام میں پڑتی ہے۔	″
علماء عالم قانون ہیں واضع قانون نہیں	٧٨
دین محمدی کے اسرار و مصالح	″
احکام الٰہیہ ہماری عقل کے تابع نہیں	٧٩
دین محمدی عقل کے موافق ہے اس قاعدہ کی تشریح	٨٠
ضروریات دین کے لئے نصِ صریح کی حاجت نہیں	٨١
باب (٧) جواب دینے کے طریقے	٨٢
جواب کی دو قسمیں۔ تحقیقی الزامی	″
الزامی و تحقیقی جواب کی تشریح اور اس کے شرائط	٨٣
الزامی جواب کی ناپسندیدگی اور ممانعت	″
تحقیقی جواب کی اہمیت۔	٨٥
آجکل الزامی جواب کی اہمیت و ضرورت۔	٨٨
الزامی جواب دیئے جانے کے مواقع۔	″
نفس جواب دینا کوئی بات نہیں جواب کی حقیقت دیکھنا چاہیئے	٩٠
ردّ و قدح کے ذریعہ جواب دینا۔	″
گول مول جواب دینا۔	٩١
جواب سخت ہونا چاہیئے یا نرم۔	″
حاکمانہ جواب۔	٩٢
جواب جاہلاں۔	٩٣
بدعتی سے مناظرہ کرنے کا طریقہ۔	٩٤

Scanned by CamScanner

عنوانات	صفحات
اہل بدعت کیواسطے چند الزامی جوابات	۹۴
باب (۸) اصول وقواعد مناظرہ	۹۶
دلائل میں تعارض کی صورت میں ترجیح کا قاعدہ	"
ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کیطرف منتقل ہونا جائز نہیں	۹۷
ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کیطرف منتقل ہونا کیوں اور کب ممنوع ہے	۹۸
منع کی حقیقت	"
مانع کو صرف منع کر دینا کافی ہے	۹۹
مدعی کے ذمہ بینہ ہے	"
مناظرانہ داؤں	۱۰۰
سوال کو معترض پر لوٹا دینا	۱۰۱
غیر واقعی فرضی باتیں مان لینے کا قاعدہ	۱۰۲
ایک قاعدہ۔ خاص مستلزم ہوتا ہے عام کو	۱۰۳
اس قاعدہ کی تشریح۔	۱۰۴

عنوانات	صفحات
باب (۹) علمی مناظرے	۱۰۴
ایک لکچرار آریہ کا اشکال اور حضرت تھانوی کا جواب اور سمجھانے کا انداز	
اللہ تعالیٰ کے جب زبان نہیں تو وہ تکلم کسطرح کرتا ہے	۱۰۷
عیسائیوں کے اعتراض کا جواب کہ روح اللہ افضل الالقاب ہے	۱۰۸
عیسائیوں کا اعتراض کہ عیسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے زاہد تھے اور اس کا جواب	۱۰۹
عیسائیوں کے حق پر ہونے کی دلیل اور اس کا جواب	۱۱۰
ایک عیسائی کا حضرت کو انجیل کی ترغیب دینے پر حضرت کا جواب	۱۱۱
نبی اور ساحر کے فرق پر ایک کوتوال کو جواب	"
معراج جسمانی یا روحانی کے بارے میں اشکال اور اس کا جواب	۱۱۲
امیر معاویہ کے بارے میں اشکال و جواب	۱۱۵
عجیب جواب	۱۱۷

عنوانات	صفحات
باب (۱۰) مفید نمونے	۱۱۸
واقعہ قرطاس پر سوال وجواب	
ایک شیعہ عالم کا حضرت عمرؓ کی ذات پر اعتراض اور حضرتؒ کا جواب	۱۱۹
خرگوش کے شکار کے بارے میں اشکال وجواب	〃
ایک عامی شخص کا جزئی مسئلہ کی دلیل کا مطالبہ اور حضرت تھانویؒ کا جواب	۱۲۰
بہشتی زیور کے ایک مسئلہ پر ایک صاحب کا اشکال اور حضرت تھانوی کا جواب	〃
اصلاح الرسوم کی بابت ایک صاحب کے اشکالات اور حضرت کا جواب	۱۲۲
آپ جن رسوم کو منع کرتے ہیں دوسرے لوگ کیوں نہیں منع کرتے	۱۲۳
نمازیں پانچ کیوں مقرر ہوئیں	۱۲۴
حکیم افلاطون کا سوال اور حضرت موسیٰ کا جواب	〃

عنوانات	صفحات
داڑھی فطری ہے یا غیر فطری	۱۲۵
علماء پر سے اعتراض دفع کرنے کی بات	
ایک صاحب کی فرمائش اور حضرت کا جواب	〃
مولوی پر ایک الزام اور اسکا جواب	۱۲۷
علیگڑھ کے فروفیسر سے ایک مکالمہ	۱۲۸
علیگڑھ والوں کے متعلق ایک ڈپٹی صاحب کا سوال اور حضرت کا جواب	۱۳۰
میلاد کے بارے میں دو مولویوں کا مکالمہ	۱۳۱
ایک مالدار اور غریب کا مکالمہ۔	〃
ایک بزرگ کا گدھے کی سواری پر سوار ہونے کی بادشاہ کی فرمائش اور ان کا جواب	۱۳۲
کوئی کافر جہنم میں نہیں جائے گا	۱۳۳
امام صاحب کی ذہانت	〃
حضرت گنگوہی کا قسم کھا کر کہنا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔	۱۳۴
انا الحق کا دعویٰ فرعون ومنصور دونوں نے کیا لیکن ایک مقبول دوسرا مردود کیوں ہوا	۱۳۵
ایک مکالمہ۔	〃
چند مفید نمونے۔	۱۳۷

فن مناظرہ

باب ۱

فن مناظرہ مستقل فن ہے

فن مناظرہ مستقل فن ہے۔ اور اس کے اصول عقلی ہیں جن کو مخالف بھی مانتا ہے۔ ان کو چھوڑ کر جب بھی مناظرہ کیا جائے گا فضول اور بے سود ہوگا [1]

مناظرہ کا ثبوت

قرآن مجید میں جادِلھُم صیغۂ امر آیا ہے۔ اور لَا تجادِلوا کے بعد اِلّا بِالّتِی ھِیَ اَحسَنُ کا استثنار آیا ہے۔ اور خود احادیث میں حضور صلی اللہ کا نصاریٰ سے محاجّہ کرنا وارد ہے۔ جس کی تائید میں سورۂ آل عمران کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اور ائمّۂ دین نے سلفًا وخلفًا محاجّہ کیا ہے۔ اور بہت سی تصانیف اس باب میں ان حضرات کی موجود ہیں۔ اور علم کلام اسی غرض سے ایک مستقل اور مدون فن ہو کر باجماع علمار امت علوم دینیہ میں داخل ہے [2]

مناظرہ کی ضرورت اور اسکا فائدہ

نیز ضرورت بھی اس کی مشاہد ہے کیونکہ اہل باطل ہر زمانہ

---

[1] حسن العزیز ج ۴ [2] حقوق العلم ص ۴۳

میں بکثرت موجود رہے ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔ وہ لوگ اپنے باطل کی ہمیشہ ترویج کرتے ہیں۔ تو اگر ان کا جواب نہ دیا جائے تو عوام کا تلبیس و تخلیط (شبہہ میں پڑجانا) کوئی بعید و عجیب نہیں۔

اور جواب دینے میں عوام کی بھی حفاظت ہے۔ اور بعض اوقات خود اہل باطل کو بھی ہدایت ہو جاتی ہے۔ اور یہی قیل و قال۔ سوال و جواب مجادلہ و مناظرہ ہے۔ تو ایسے ضروری امر کو مذموم کیسے کہا جاسکتا ہے[1]

مناظرہ کی اہمیت مناظرہ بھی دعوت و تبلیغ کی ایک قسم ہے

داعی ۲ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے مذہب پر پوری نظر رکھتے ہیں۔ اور دوسرے وہ کہ دوسرے کے مذہب پر پوری نظر رکھتے ہیں۔ چونکہ اس وقت مناظرہ میں مخالفین کے مقابلہ میں الزامی جواب زیادہ موثر ہوتا ہے اس لئے داعین میں جو جماعت دوسرے کے مذہب پر نظر رکھتی ہو وہ مخالفین سے مناظرہ کرے۔ ان کی یہی دعوت ہے۔

اور جو اپنے مذہب پر پوری نظر رکھتی ہو اسے چاہیئے کہ وعظ و تلقین اپنے ہم مذہب لوگوں کو کرے۔

---

[1] حقوق العلم ص۷۳

تو اس بناء پر داعین کی دو جماعتیں ہوئیں۔ ایک واعظین جو اپنے مذہب والوں کی تحقیق سے متنبہ کیا کریں۔ اور ایک مناظرین جو الزامی جواب سے مخالفین کو ساکت کیا کریں [1]

مناظرہ کی غرض وغایت

مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مناظرہ کی دو غرضیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اظہار حق۔ اور حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا قبول کر لینا۔ اس کی تو آج کل امید نہیں۔
دوسری غرض غلبہ کا اظہار ہے [2]

مناظرہ کا فی نفسہ حکم

مضر بالغیر وہ علوم ہیں جو فی نفسہ جائز ہیں مگر کسی عارض کی وجہ سے ان کو ممنوع کیا گیا ہے جیسے "علم مناظرہ" کہ یہ فی نفسہ جائز ہے۔ لیکن بعض لوگ اس طرز سے اس کی تعلیم دیتے ہیں جو کہ دین میں مضر ہے اس لئے تعلیم و تعلم کے اس طرز کو ممنوع کہا جائے گا [3]

فرض مناظرہ

مسائل قطعیہ جیسے کفر و اسلام کا اختلاف۔ یا اہل حق کے نزدیک

---

[1] التبلیغ ص۲۳۷ ج۲۰ [2] کلمۃ الحق ص۱۵ [3] التبلیغ۔ تعیم التعیم ص۱۲۰ ج۲۱

جو متفق علیہ بدعت و سنت ہے اس کا اختلاف اس میں چند حالتیں ہیں۔

ایک یہ کہ صاحب باطل متردد اور حق کا طالب ہے۔ اور اپنے شبہات صاف کرنا چاہتا ہے۔ اور اس غرض سے گفتگو یا مناظرہ کرتا ہے تو جو شخص حق کی تائید پر قادر ہو اس پر ایسا مناظرہ کرنا واجب و فرض ہے۔

اور جب جواب سے عاجز ہو تو صاف کہہ دینا چاہیئے کہ اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آتا سوچ کر یا پوچھ کر بتلاؤں گا۔ یا اپنے سے زیادہ جاننے والے کا پتہ بتلا دے اور طالب کو چاہیئے کہ وہاں جاکر رجوع کرے۔ ایسے مناظرہ سے انکار کرنا معصیت اور مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَکَتَمَہٗ الخ میں شامل ہے[1]

واجب مناظرہ

دوسری حالت یہ ہے کہ مخاطب حق کا طالب نہیں۔ لیکن متکلم کو توقع واحتمال ہے کہ شاید حق کو قبول کرلے۔ سو جب تک اس کی امید ہو مناظرہ کرنا احکام کی تبلیغ میں داخل ہے۔ جہاں تبلیغ واجب ہے وہاں یہ مناظرہ واجب اور جہاں مستحب ہے وہاں مستحب ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اہل کتاب وخوارج سے مناظرات اسی قبیل کے تھے[2]

---

[1] تجدید تعلیم وتبلیغ صـ۵۹ حقوق العلم صـ۷۵ [2] حقوق العلم صـ۷۶ تجدید تعلیم صـ۵۹

مستحب مناظرہ

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ طالب بھی نہیں نہ قبول کی امید ہو مگر کسی مفسدہ ولمضرت کا بھی اندیشہ نہیں اور کسی ضروری امر میں خلل کا بھی احتمال نہیں تو ایسی صورت میں ایسا مناظرہ مستحب ہے[1]

مباح مناظرہ

چوتھی حالت یہ ہے کہ طالب سے نہ قبول کی امید، نہ کسی ضروری امر میں خلل۔ مگر خاص مضرت کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قوی الہمت کے لئے عزیمت و اولیٰ ہے اور ضعیف ہمت والے کے لئے رخصت وغیرہ اولیٰ ہے[2]

حرام مناظرہ

پانچویں حالت یہ کہ طالب سے قبول کی توقع نہ ہو۔ اور ساتھ ہی کسی دینی مضرت کا احتمال (مثلاً عوام کا شبہات میں پڑ جانا) یا کسی اہم دینی منفعت کے فوت ہونے کا احتمال ہو (مثلاً مناظرہ کرنے سے دینی کام۔ مدرسہ یا تبلیغی کام کو نقصان پہونچنے کا احتمال ہو) اس صورت میں اس سے اعراض کرنا اور ضروری کاموں میں مشغول رہنا واجب ہے۔ قرآن مجید میں اعراض اور ترک جدال کا امر ایسے

---

[1] حقوق العلم ص۷۶ ایضاً ص۷۶

موقع پر ہے۔ سورہ عبس کے شان نزول کا جو قصہ تھا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے اس کو تیسری حالت میں۔ داخل سمجھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس کو پانچویں حالت میں داخل بتلایا[1]

ناجائز مناظرہ

بعض امور وہ ہیں جو شرعاً مہتم بالشان نہیں۔ جیسے خاندان چشتیہ وغیرہ کا باہم تفاضل۔ یا بعض وہ امور جن میں بحث کرنے یا حکم لگانے سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے جیسے تقدیر کا مسئلہ یا کوئی دوسرا ایسا ہی مسئلہ۔ مثلاً باوجود اس کے کہ کسی کا کلام صحیح معنیٰ کو محتمل ہو پھر بھی اس پر کفر کا حکم لگانا۔ ان امور میں۔ بحث و مباحثہ کرنا ممنوع و مذموم ہے جس مرتبہ کی نہی یا منہی عنہ ہوگا اسی مرتبہ کی ممانعت و مذمت ہوگی[2]

مکروہ مناظرہ

سب سے پہلے لکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ جن مسائل اعتقادیہ کی تخصیصاً کسی نص میں تصریح نہیں آئی بلا ضرورت اس میں کلام اور غور خوض کرنا خصوصاً جب کہ ضرورت سے زیادہ وہ ظاہر بھی ہو چکا ہو لایعنی امور کے ساتھ اشتغال ہے بلکہ عجب نہیں کہ بدعت اور بے ادبی کے حد میں داخل ہو۔ مثلاً امکان کذب کی بحث وغیرہ

---

[1] تمہید تعلیم ص۶۰ حقوق العلم ص۲۶ [2] تجدید تعلیم و تبلیغ ص۲۱ حقوق العلم ص۲۸ [3] بوادر ص۲۰۸ ۱۶/۱

Scanned by CamScanner

عوام کے شبہ میں پڑ جانیکے خوف سے مناظرہ کرنا اور اس کی دو صورتیں ۲۶

چھٹی حالت یہ ہے کہ مناظرہ کرنے میں تو مخاطب کے نفع کی نہ کوئی توقع ہو۔ اور نہ اس سے کسی خاص مضرت کا احتمال ہو۔ اور مناظرہ نہ کرنے میں عوام اہل حق کے شبہ میں پڑ جانے کا خوف ہو۔ اور مسئلہ ایسا ہو کہ عوام اہل حق کو اس کے غلط ہونے کا احتمال بھی نہ ہو تاکہ اہل حق علماء سے دریافت کر سکیں تو اس صورت میں اس کی تدبیر واجب ہے جو دو۲ ہیں

ایک یہ کہ خود اہل باطل کو مکالمہ یا مکاتبہ میں مخاطب بنایا جائے

دوسری یہ کہ اس سے خطاب نہ کیا جائے بلکہ عام خطاب سے حق کو ثابت اور باطل کو رد کیا جائے ان میں جس تدبیر کو اختیار کیا جائے گا واجب ادا ہو جائے گا [1]

مناظروں سے اہل باطل کو فروغ ہوتا ہے اور نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ البتہ اہل باطل کا اثر مٹانے کے لئے حق کی تقریر اور اشاعت بار بار اور جابجا کرنا بے شک بہت نافع ہے [2]

بس یہ کرنا چاہیئے کہ جب اہل باطل بکیں تو اپنی (حق بات) الگ کہنے لگیں زیادہ اچھا طریقہ یہی ہے۔ انبیاء کا یہی طریقہ ہے کفار کے جواب میں اتنی مشغولی نہیں کرتے تھے البتہ حق کا اعادہ بار بار کرتے تھے جواب

---

[1] تجدید تعلیم ص۶۰ حقوق العلم ص۷۶ [2] انفاس عیسیٰ ص۵۹۰ ج ۲

کے درپے زیادہ نہیں ہوتے تھے اسی سے زیادہ نفع ہوا۔

مجھے طالب علمی ہی کے زمانہ میں تجربہ ہوگیا تھا اور بجائے مناظرہ کے میں یہ کرتا تھا کہ عیسائیوں وغیرہ کے مقابلہ میں اپنا وعظ دوسری طرف کھڑا ہوکر کہنے لگتا تھا اس سے بہت نفع ہوتا تھا[1]

دہلی میں وعظ ہوا لوگوں میں بہت صدمہ تھا بعض خطوط بھی آئے جس میں یہ لکھا تھا کہ اب تو نعوذ باللہ اللہ میاں بھی تثلیث والوں (موجودہ عیسائیوں) کی حمایت کرنے لگے۔

میں نے وعظ میں ان سب شبہات کے جوابات دیئے پھر اعلان کیا کہ اگر کسی کو کوئی شبہہ ہو تو دریافت کرلے بعد میں شکایت نہ کرنا کہ ہمارا شبہہ حل نہ ہوا[2]

آج کل غیر مسلموں سے مناظرہ کرنا زیادہ تر عوام کے لئے مضر ہی ہے نافع طریقہ یہ ہے کہ بیان کیا جایا کرے۔ میں نے ایک وعظ بیان کیا ہے اس کا نام محاسن الاسلام رکھا ہے جو چھپ بھی گیا ہے دیکھنے کے قابل ہے[3]

پیش آمدہ شبہات میں عوام کی ذمہ داری

ساتویں حالت یہ ہے کہ مناظرہ کرنے میں مخاطب کے نفع کی نہ کوئی توقع ہو اور نہ اس سے کسی خاص مضرت کا احتمال ہو اور مناظرہ نہ کرنے میں عوام اہل حق کے شبہہ میں پڑجانے کا خوف ہو اور مسئلہ ایسا ہو کہ عوام اہل حق کو اس کے غلط ہونے کا شبہہ واقع ہوسکتا ہو اس صورت میں خود ان عوام پر واجب

---

[1] حسن العزیز ص۱۶۱ ج ۱ [2] کلمۃ الحق ص۱۰۲ [3] ایضاً ص۶۵

ہے کہ علماء سے تحقیق کریں اور علماء پر جواب دینا واجب ہوگا ورنہ بغیر سوال (و تحقیق کے) وہ سبکدوش نہ ہوں گے [1]

عوام کے لئے ضروری دستور العمل

دوسرا التزام یہ کریں کہ جب کوئی شبہ پیدا ہو اس کو نوٹ کرتے رہو اتوار (چھٹی کے دن) اس کی تفصیل کر لو پھر وہ مسودہ ہمارے پاس بھیج دیا کرو یا اس سے زیادہ سہل یہ ہے کہ مسجد میں ایک رجسٹر رکھ دو اور جس وقت جو شبہ ذہن میں پیدا ہو اس میں درج کر دیا کرو۔ جب معتد بہ ذخیرہ ہو جائے تب وہ رجسٹر ہمارے پاس بھیج دو ہم فرصت کے وقت میں سب کا جواب دے دیں گے۔ اور جواب کا طریقہ یہ ہوگا کہ ایک ایک سوال کا جواب نہ دیں گے اور نہ جلدی جواب دیں گے بلکہ جب کافی مقدار میں ذخیرہ ہو جائیگا اس کے لئے مستقل وقت نکال کر کتابی شکل میں لکھیں گے اور ان جوابوں کے مقدمات کو جوابوں سے پہلے اصول موضوعہ کی شکل میں مرتب کریں گے جن سے جواب میں امداد ملے گی پھر اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کریں گے تاکہ نفع عام ہو [2]

مسائل فقہیہ اور احکام ظنیہ میں مناظرہ

مسائل دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی ایک شق یقیناً حق ہو اور دوسری باطل ہو۔ خواہ سمعاً ہو خواہ عقلاً، یہ مسائل قطعیہ کہلاتے ہیں، دوسری قسم

---

[1] تجدید تعلیم ص ۶۰ حقوق العلم ص ۷۷ [2] کلمۃ الحق ص ۳۸

Scanned by CamScanner

جس میں دونوں جانب حق وصواب کا احتمال ہو یہ مسائل ظنیہ کہلاتے ہیں۔ مسائل کلامیہ اکثر قسم اوّل سے ہیں اور بعض ثانی سے۔ اور مسائل فقہیہ اکثر قسم ثانی سے۔ مسائل ظنیہ میں صرف ظنی ترجیح ثابت کرنے کے لئے اہل علم میں باہم گفتگو اور مکالمت جائز ہے بشرطیکہ نہ بغض وعناد ہو نہ ایک جانب کی قطعیت کا اعتقاد ہو نہ دوسری جانب کے قطعی باطل ہونے کا پختہ یقین نیز جب سمجھ میں آجائے تو اپنی رائے سے رجوع اور حق کے قبول کرنے کا عزم ہو

مگر مصلحت اس میں بھی یہ ہے کہ عوام تک اس کی اطلاع نہ ہو اگر زبانی گفتگو ہو تو مجمع خواص کا ہو اور اگر تحریری ہو تو عام فہم زبان مثلاً ہندوستان میں اردو میں نہ ہو عربی میں ہو۔ تاکہ اگر کسی وقت وہ شائع ہو جائیں تو عوام تک اس اختلاف کا اثر نہ پہونچے

اور سلف سے اسی طرح کی گفتگو منقول ہے نہ کہ ایسی جیسی آجکل ہو رہی ہے ایک فریق قرأۃ خلف الامام کا حق ہونا اسطرح بتلا رہا ہے کہ اس کے نزدیک تمام حنفیہ تارک صلوۃ اور فاسق ہیں اور دوسرا فریق اس کی اس طرح نفی کرتا ہے کہ گویا اس کے نزدیک قرأۃ خلف الامام کی کوئی حدیث ہی نہیں اور عین مناظرہ میں اگر مقابل کا قول دل کو لگ بھی جائے تب بھی ہرگز قبول نہ کریں، بلکہ گفتگو شروع کرتے ہی رد کرنے ہی کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں اور اسی نیت سے سنتے ہیں کیونکہ مقصود تمام تر اپنا غلبہ اور دوسرے کو ساکت کرنا ہوتا ہے پھر باہمی عناد وفساد ہوتا ہے حتیٰ کہ عدالت تک نوبت پہونچتی ہے کیا یہ دین ہے؟ کیا سلف صالح اور حضرات صحابہ کا ان مسائل میں یہی طریقہ تھا؟

---

[1] تجدید تعلیم ص۵۷ حقوق العلم ص۵۷

مناظرہ کے جواز کے شرائط

خلاصہ یہ کہ مناظرہ کا جواز ان شرائط کے ساتھ مقیّد ہے۔

(۱) وہ مسئلہ دین میں مقصود بھی ہو

(۲) دل سے یہ ارادہ ہو کہ حق واضح ہو جائے گا تو فوراً قبول کر لیں گے یہ نیت نہ ہو کہ ہر بات کو رد کر دیں گے گو سمجھ میں آ جائے

(۳) مخاطب پر شفقت ہو۔

(۴) اگر وہ شفقت کے قابل نہ ہو تو صبر اور معدلت (انصاف) کے ساتھ مقابلہ کرے ـــــــــــ

(۵) اگر قرائن سے عناد مشاہد ہو تو مناظرہ سے معافی کی درخواست کر کے ترک کر دے۔ ـــــــــــ

(۶) تمام صورتوں میں واجب ہے کہ الفاظ اور مضمون نرم ہو متانت اور تہذیب کے خلاف نہ ہو اگر دوسرا درشتی (سختی بے ادبی) بھی کرے تو صبر افضل ہے

(۷) جو بات معلوم نہ ہو نہ جاننے کا اقرار کرنے سے عار نہ کرے وغیرہ ذالک

جہاں یہ شرائط نہ ہوں گے جیسا آج کل مشاہد ہے وہاں مناظرہ نافع ہونے کے بجائے بالیقین مضر ہو گا۔ لہ

سلف صالحین اور حضرات صحابہ کا مناظرہ

احادیث میں حضرات صحابہ کے مناظرے مذکور ہیں ان کا طرز یہ تھا کہ ایک شخص اپنی

حقوق العلم ص ۶۸

بات کو بار بار دہراتے جاتا ہے آخر دونوں میں سے ایک کہہ دیتا تھا کہ بس مجھے انشراح ہوگیا۔ اور میری سمجھ میں آگیا۔ دلائل اور رد و قدح زیادہ نہ ہوتے تھے اور یہی طرز قرآن کا ہے [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ میں مانعین زکوٰۃ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ ان سے لڑنا چاہیئے یا نہیں۔ صحابۂ کرام کی رائے یہ تھی کہ اس وقت لڑنا مصلحت کے خلاف ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق اپنی رائے پر جمے ہوئے تھے آپس میں گفتگو ہوئی۔ اچھا خاصا مناظرہ ہوگیا لیکن ان کا مناظرہ آج کل کا سا مناظرہ نہ تھا کہ ہر شخص کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو لاجواب کردوں۔ ان کی نیت یہ تھی کہ بحث کرنے سے حق واضح ہوجائے خواہ کسی کی طرف ہو چنانچہ دونوں فریق نے گفتگو کی اور غور کیا جس سے حق واضح ہوگیا اور دونوں قتال پر متفق ہوگئے

حضرت ابوبکر ایک طرف تھے اور تمام حضرات ایک طرف تھے کثرت رائے پر فیصلہ نہیں ہوا دونوں فریق حق کے طالب تھے اور جانتے تھے کہ حق وہ ہے جو وحی سے ثابت ہو دونوں نے غور کیا اور سوچ کر وحی کا حکم نکال لیا اور اسی کو سب نے مان لیا محض رائے سے فیصلہ نہیں کیا [2]

اہل اللہ کا تحریری مناظرہ

حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ کا عالمانہ تحریری مناظرہ مولانا عبدالحی صاحب خیرآبادی سے ہوتا تھا وہ تین آدمی تھے سب کی طرف سے ایک تحریر

---

[1] التبلیغ ص ۱۲۳ ج ۲۱ [2] وعظ الصالحون رسالہ البلغ ج ۸ ص ۱۷

آتی تھی ادھر سے مولانا جواب لکھتے تھے مگر مناظرہ نہایت متانت کے ساتھ تھا ایک مرتبہ کسی تحریر میں ان کی طرف سے ایک جملہ استہزار کا آگیا مولانا نے اس کا جواب لکھنے کے بجائے یہ لکھا کہ

یعنی استہزار کرنا باہمی جھگڑوں کو ایسا اگاتا ہے جیسے پانی گھاس اگاتی ہے	الاستہزاء تنبت المراء کما ینبت الماء الکلاء

لہٰذا جوابش نظر انداز کردہ شد آئندہ احتیاط دارند حضرت نے فرمایا کہ مناظرہ اس طرز سے ہو تو مضایقہ نہیں [1]

آج کل جسطرح مناظرہ کیا جاتا ہے سلف کا یہ طریقہ نہ تھا قرآن میں جا بجا کفار سے مناظرہ کیا گیا ہے مگر اس کا عجیب طرز ہے آج کل کی طرح تو تو میں میں نہیں ہے [2]

مقاصد کے لحاظ سے مناظرہ کے اقسام واحکام

اغراض و مقاصد کے پیش نظر مناظرہ کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) یا تو مناظرہ سے مقصود یہ ہے کہ حق کا اظہار اور اس کا غلبہ ہو جائے اگر فریق مخالف سکوت نہ کرے۔ ایسی صورت میں خصم کے خاموش کرنے کے درپے نہ ہونا چاہیئے بلکہ جب فریق مقابل میں عناد محسوس کرے تو صاف صاف کہہ دے لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا وبینکم اللہ یجمع بیننا۔ ہمارے واسطے ہمارے اعمال تمہارے واسطے تمہارے اعمال۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں اللہ ہی ہمارے تمہارے درمیان

---

[1] مجالس حکیم الامت ص ۲۸۸ [2] التبلیغ ص ۱۲۳ ج ۲۱

------ فیصلہ کرے گا اور اس قسم کے مناظرہ سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ اور اس کی طرف رہنمائی بھی کرتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ------

وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اگر وہ مخالفین آپ سے مناظرہ کریں تو آپ کہہ دیجئے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے مناظرہ کی یہ قسم مطلقاً محمود اور پسندیدہ ہے لیکن اس زمانہ میں مفقود ہے اِلَّا نادرًا والنادر کالمعدوم ------

(۲) یا مناظرہ سے مقصود فریق مخالف کا منہ بند کرنا اور اس کو لاجواب کرنا ہے یہ قسم بھی حسن نیت کے اعتبار سے مطلقاً محمود اور پسندیدہ ہے لیکن یہ موقوف ہے خصم کے سکوت پر اور خصم اگر معاند اور مفسد بے حیا ہو تو کبھی سکوت نہ کریگا لہذا اس غرض کا قصد کرنا تو ایسا ہے کہ بذات خود وہ اس پر قادر نہیں اور غیر کی قدرت کا اعتبار نہیں تو یہ صورت غیر اختیاری ٹھہری اور غیر اختیاری امر کا قصد کرنا ایک فعل عبث اور دردسر ہوتا ہے لہذا اس کو مقصود بنانا صحیح نہیں۔

(۳) یا پھر مناظرہ کا مقصود فریق مخالف کو خاموش کرنا ہو اور وہ خاموش بھی ہو جائے لیکن چونکہ یہ سکوت اور خاموشی اس کے بطلان کی دلیل نہیں اس لئے یہ فعل عبث بلکہ مضر ہوگا کیونکہ عوام کے ذہنوں میں اس جیسا سکوت بطلان کی دلیل ہوتا ہے تو اگر کسی موقع پر اتفاق سے اہل حق کی جانب سے سکوت ہو گیا تو عوام حق مسلک کو بھی باطل اور اہل حق کو گمراہ سمجھ لیں گے یہ کتنا بڑا ضرر ہے

(۴) یا پھر مناظرہ اس غرض سے ہوگا تاکہ لوگ (عوام) فریقین کے دلائل کو سن کر موازنہ کرلیں اور حق و باطل کا خود ہی فیصلہ کرلیں یہ صورت تو تحکیم کی ہے اور جاہل کیوں کر حکم بن سکتا ہے اس کے اندر حکم بننے کی صلاحیت ہی نہیں۔

Scanned by CamScanner

لہٰذا یہ بھی فعل عبث بلکہ ضرر رساں ہوا کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جہلاء حکم بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کا ضرر ظاہر ہے۔

اور اگر حکم کسی عالم کو بنایا جائے تو ظاہر بات ہے وہ دو خیالوں میں سے کسی ایک خیال کا ہوگا باعتبار نظریہ کے۔ یا تو اس طرف ہوگا یا اس طرف تو اس پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے انصاف کو اعتقاد پر ترجیح دے لہٰذا تب بھی فعل عبث رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ فی زمانِنا مناظرہ کی متعارف صورتیں فائدے سے خالی ہیں گو اس نظریہ میں کوئی میری موافقت نہ کرے (لیکن تحقیق یہی ہے)

اور اگر یہ اشکال ہو کہ آخر کس طریق سے حق کا طالب حق کے راستہ کو متیاٗ کرے خصوصاً وہ شخص جو کہ مذبذب ہو؟

ہم کہیں گے اس کا طریقہ وہی ہے جو قرآن پاک میں شائع ہے وہ یہ کہ حق بات کو بار بار اور مختلف عنوانات سے بیان کیا جائے جیسے کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ـــــ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ـــــ وَاِلٰی هٰذَا اَشَارَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا الاٰیۃ فَاَیقن و اتقن [1]

---

[1] بوادر النوادر نادرہ ۸۳ ص ۶۸

بعض صورتوں میں مناظرہ کی ضرورت

اور اہل علم کی ذمہ داری

تبلیغ احکام کے متعلقات میں سے احکام کی حفاظت بھی ہے یعنی اسلام کے اصول و فروع پر جو حملے یا آمیزشیں ہوتی ہیں خواہ وہ اہل کفر کی جانب سے ہوں یا اہل بدعت کی طرف سے ان کا دفع کرنا (اہل علم کی ذمّہ داری ہے) تاکہ طالبان حق شبہات سے محفوظ رہیں۔ اور اس مقصد کے لیئے اگر اہل باطل پر رد و قدح کرنے کی حاجت ہو یا ان سے مناظرہ کرنا مصلحت کا تقاضہ ہو اس سے پہلو تہی نہ کرے۔ اور اس پر آشوب زمانہ میں اگر مناظرہ مشروع ہے تو اسی غرض سے ورنہ تعصب اس درجہ ترقی پر ہے کہ مناظرہ سے احقاق حق (یعنی حق ثابت کرنا) مقصود ہی نہیں رہا۔ اور اس رد و قدح کے لئے اگر اہل باطل کے علوم و فنون حاصل کرنا ضروری ہو تو وہ بھی طاعت ہے جیسے اس وقت سائنس وغیرہ سیکھنا[1]

---

[1] اصلاح انقلاب ص۲۶ ج۱

باب (۲) مناظرہ کے مفاسد و نقصانات

آجکل مناظرہ کیوں مفید نہیں ہے

مجھ سے جب کسی نے مناظرہ کے لئے کہا تو میں نے کہا کہ حکم کون ہوگا یا علماء یا عوام۔ علماء اگر حکم ہوئے تو وہ یا اِدھر کے ہونگے یا اُدھر کے ہوں گے۔ ان کا فیصلہ ہی کیا ہوگا۔ عوام بیشک خالی الذہن ہوتے ہیں لیکن وہ ہیں جہلاء۔ اور علماء حکم ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ اِدھر ہوں گے یا اُدھر لامحالہ عوام ہی حکم ہوں گے۔ اور وہ ہیں جہلاء تو جس فیصلہ کا مدار جہلاء پر ہو وہ فیصلہ جیسا ہوگا ظاہر ہے پس اس سے تو یہی بہتر ہے کہ جو تمہارے نزدیک حق ہو تم کہو اور جو ہمارے نزدیک حق ہو ہم کہیں خدا جس کو اثر دے مناظروں سے کوئی نفع نہیں [1]

ممانعت کی بڑی وجہ

ایک بہت بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ اگر فریقین میں سے ایک منصف مزاج ہوا۔ اور اس نے دوسرے کی تقریر کے کسی جزء کو مان لیا یا صحیح جواب سوچتا ہوا رہ گیا۔ یا حق پرستی کے سبب کہہ دیا کہ مجھ کو اس کا جواب معلوم نہیں کسی سے دریافت کرلوں گا، یا پھر سوچ کر یا دیکھ کر بتلاؤں گا تو عوام جہلاء کے نزدیک گویا وہ ہار گیا۔ اور زیادہ تماشہ دیکھنے والے

---

[1] حسن العزیز ص ۴۶ ج (۱)

Scanned by CamScanner

عوام ہی ہوتے ہیں۔ اور اس کے ہارنے کے ساتھ اس کا دعویٰ کیا ہوا مسئلہ بھی غلط ہوگیا ـــــ ان مفاسد کے ہوتے ہوئے تو مستحب بھی ممنوع ہوجاتا ہے۔ چہ جائیکہ جب وہ فی نفسہ بھی شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے مذموم ہو[1]

اور اگر اس طرح مقرر کیا جائے کہ طالبین حق (حق پرست عوام) دونوں کی بات سن کر تصفیہ اور فیصلہ کرلیں گے۔ سو اول تو عوام النّاس کا فیصلہ کہاں تک قابل اعتبار ہے جب کہ (علم) وفہم بھی نہ ہو ممکن ہے کہ باطل والے کی تقریر وہ سمجھ لیں اور اہل حق کی نہ سمجھیں۔ دوسرے اگر وہ عامی شخص فہیم (سمجھ دار) ہے تو اس کے لئے مناظرہ ہی کی کیا ضرورت ہے۔ مستقل طور سے تقریر کو سننا سنانا بھی اس غرض کے لئے کافی ہوسکتا ہے[2]

مرّوجہ مناظرہ کی ایک بڑی خرابی

(۱) آج کل مناظرہ بہت ہی مضر ہے کیونکہ اس کی غایت (مقصد) کچھ بھی محمود نہیں بس زیادہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ خصم (مقابل) کو ذلیل کیا جائے اور اپنی بات کو اونچا کیا جائے حق کی تحقیق مقصود نہیں ہوتی[3]

مناظرہ سے باطل کو فروغ ہوتا ہے

(۲) مناظروں اور رسالوں نے اہل باطل کو بہت فروغ دیا

---

[1] حقوق العلم ص ۷۹ [2] ایضاً ص ۸۲ [3] انفاس عیسیٰ ص ۶۲ ج ۲

ہے ورنہ اگر بے پرواہی برتی جاتی ان کے ردکیجانب کچھ التفات ہی نہ کیا جاتا تو ان کو اتنی اہمیت حاصل نہ ہوتی جتنی اب حاصل ہو گئی ہے مناظروں سے تو اہل باطل کو فروغ ہوتا ہے اور نتیجہ کچھ نہیں ہوتا[1]

علماء سے بدگمانی اور گروہ بندیاں

(۳) آجکل اس کی مضرتیں محسوس ہو رہی ہیں وہ یہ کہ ان فضول لایعنی قصوں کو دیکھ کر عوام النّاس علماء سے بدگمان ہو گئے کہ میاں ہر شخص دوسرے کی تکذیب کر رہا ہے پھر وہ اپنے زعم کے مطابق اذا تعارضا تساقطا پر عمل کر کے سب ہی کو چھوڑ دیتے ہیں یا ایک طرف ہو کر دوسرے مقابل کی بے آبروئی اور ایذارسانی کے درپے ہوتے ہیں اور باہمی عداوت قائم ہو کر جانبین میں غیبت کا دروازہ الگ کھلتا ہے اور ایک دوسرے کی بے آبروئی کی فکر میں الگ رہتے ہیں۔ اور گروہ بندیاں ہو کر مسلمانوں کی قوت اور وقعت میں روزانہ تیزی سے انحطاط ہوتا جاتا ہے کبھی عوام میں باہم مارپیٹ ہوتی ہے اور نوبت عدالت تک پہونچتی ہے اور ہزاروں روپیوں پہ پانی پھر جاتا ہے[2]

توہین تذلیل، بدگمانی و بدنامی

بعض اوقات ان جھگڑوں کی بدولت عدالت میں علماء بلائے جاتے ہیں اور وہاں دینی کتابیں لائی جاتی ہیں جن کا وہاں کوئی ادب

---

[1] انفاس عیسیٰ ص۶۲۳ ج ۲ [2] حقوق العلم ص۷۹

نہیں ہو سکتا

پھر بعض اوقات وہ مسائل ایسے فیصلہ کرنے والوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں جن کو دینیات سے مس بھی نہیں، اور وہ جاہل عالموں کا فیصلہ اوٹ پٹانگ کرتا ہے۔ پھر اکثر ایسے مقدمات کا سلسلہ سالہا سال جاری رہتا ہے۔ اور اس مدت میں فریقین ضروری کاموں سے معطل ہو جاتے ہیں اور دوران معاملہ (مقدمہ بازیوں میں) امور منکرہ (ناجائز امور) اختیار کرنے پڑتے ہیں مثلاً جھوٹ فریب اور چالاکی جھوٹے گواہ بنانا، جھوٹے حلف بنانا اٹھانا، ان سب کے سبب یہی (مناظرہ کرنے والے) فریقین ہوتے ہیں پھر اس کا اثر علماء پر پڑتا ہے ان سب کو دیکھ کر مخالفین اسلام کی نظر میں جو ذلت اور ہنسی اور شماتت ہوتی ہے وہ مخفی نہیں [1]

مراد آباد میں جس روز مناظرہ کی تاریخ تھی اس قدر چرچا تھا کہ ہندو بھی کہہ رہے تھے کہ وہاں شاہی مسجد میں چلو مولویوں کی لڑائی ہو رہی ہے ایسی شرم آئی کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ ان مناظروں میں ایسی ذلت ہے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت نفرت کرتے تھے۔ مسلمانوں سے بالکل مناظرہ نہیں کرتے تھے ہاں کفار سے کرتے تھے [2]

ان مفاسد کے ہوتے ہوئے تو مستحب بھی ممنوع ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جب وہ فی نفسہٖ بھی شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے مذموم ہو [3]

---

[1] حقوق العلم ص ۷۹ [2] حسن العزیز ص ۲۶۱ ج ۱ [3] حقوق العلم ص ۷۹

Scanned by CamScanner

مناظروں میں انبیار کی توہین

آج کل کے مناظرہ میں ایک ضرر یہ بھی ہے کہ یہ لوگ مخالف کے جواب میں انبیار کی توہین کرنے لگتے ہیں چنانچہ ایک مناظرہ میں عیسائی نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ زاہد تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بھی نکاح نہیں کیا۔ ساری عمر زہد کی حالت میں گزار دی اور مسلمانوں کے پیغمبر نے ایک نہیں نو شادیاں کیں تو اس کے جواب میں ایک صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے تم یہ ثابت کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام میں قوت مردانگی بھی تھی۔ لیجئے صحیح جواب چھوڑ کر ان حضرت نے ایسا جواب دیا جس میں نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام پر نامردی کا... عیب لگا جاتا ہے حالانکہ انبیار علیہم السلام جس طرح باطنی کمالات کے جامع ہوتے ہیں اسی طرح ظاہری کمالات بھی ان میں کامل طور پر موجود ہوتے ہیں ان کے قویٰ بشریہ بھی دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں۔

صحیح جواب یہ تھا کہ زاہد ہونا نکاح نہ کرنے پر موقوف نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا جتنے پیغمبر ہیں وہ سب زاہد نہ تھے کیونکہ حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم، حضرت داؤد علیہم السلام سب کے سب صاحب اہل وعیال تھے بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تو تین سو اور بعض روایات کے مطابق ہزار بیبیاں تھیں یہ تو مہذب لوگوں کا مناظرہ ہے اور گنواروں کا مناظرہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے[1]

---

[1] التبلیغ ص۱۳۱ و ص۱۲۴ ج ۲۱ حسن العزیز ص۳۱۷ ج ۴

آجکل کے مناظروں میں اللہ تعالیٰ کی توہین

مباحثوں اور باہمی گفتگو میں بیکار وقت ضائع ہونے کے علاوہ بہت سی خرابیاں ہیں مثلاً یہ کہ بے ادبی لازم آتی ہے سماعًا یا تکلمًا جیسے رڑکی میں ایک عیسائی بیان کر رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السّلام خدا کے بیٹے تھے ایک گنوار نے کہا کہ خدا کے اور بھی کوئی بیٹا ہے یا نہیں ... پادری نے کہا نہیں۔ گنوار بولا تیرے خدا سے نعوذ باللہ میں ہی اچھا ہوں دیکھ میری تھوڑی سی عمر میں بیس لڑکے ہوچکے ہیں اور آگے اور بھی ہوں گے تیرے خدا سے تو میں ہی اچھا رہا تیرا خدا کچھ بھی نہیں بہت ہی کمزور ہے سب لوگ کہنے لگے واہ بھئی خوب کہی پادری کو ہرا دیا مناظروں میں ایسے جاہلوں ہی کی قدر ہوتی ہے جو بہت بک بک کرتا ہو

اس گنوار کا جواب اگرچہ فی نفسہ ایک معقول بات تھی واقعی اگر خدا کے لئے بیٹا ہونا ممکن ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کا ایک ہی بیٹا ہو۔ حالانکہ اس کی مخلوق میں ادنیٰ ادنیٰ آدمی کے بہت اولاد ہوتی ہے لیکن یہ طرز نہایت بیہودہ ہے یہ کیا خرافات ہیں اور نتیجہ کچھ بھی نہیں [1]

---

[1] التبلیغ ص ۱۳۲ ج ۱۲ حسن العزیز ص ۴۵۹ ج ۱ و ص ۳۱۷ ج ۴

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی نصیحت!

پہلے اور آج کل کے مناظروں کا فرق

حضرت امام ابو حنیفہ رح نے اپنے بیٹے حماد کو نصیحت کی تھی کہ دیکھو بیٹا مناظرہ کبھی نہ کرنا۔ ہم تو مناظرہ اس نیت سے کرتے تھے کہ شاید اس خصم (مقابل) کے منہ سے حق بات نکل جائے تو ہم اس کی بات مان لیں۔ اور تم لوگ مناظرہ اس نیت سے کرتے ہو کہ خدا کرے خصم کے منہ سے حق بات نہ نکلے۔ بلکہ جو بات نکلے باطل ہی نکلے تاکہ تم کو اس کے رد کا موقع ملے۔

بلکہ اب تو اس سے بھی بدتر حالت ہے کیونکہ اس وقت جو تمنا ہوتی تھی کہ خصم کے منہ سے باطل ہی نکلے حق نہ نکلے اس کا منشار یہ تھا کہ وہ حضرات حق بات کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ حق بات کے رد سے شرماتے تھے اس لئے یہ تمنا تھی کہ خصم کے منہ سے حق نہ نکلے تاکہ رد کر سکیں اور اب تو مناظرہ میں شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ خصم کی ہر بات کو رد کریں گے خواہ حق ہو یا باطل [1]

مناظرہ یا مشاجرہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علمار کلام نے ہمیشہ مناظرہ کیا ہے لیکن

---

[1] انفاس عیسیٰ صد ۲۱۵ ج ۱

وہ ایسے نہیں ہیں جیسے آج کل کے لوگوں کا طرز ہوگیا ہے۔ کتابیں دیکھ لیجئے کیسی تہذیب اور متانت کے ساتھ مخالف کا رد کیا ہے اور ضروری رد پر اکتفا کیا ہے نہ ہر ہر لفظ کا رد ہے نہ لایعنی الفاظ ہیں نہ لفظی مواخذات نہ عنادی مناقشات ہیں مخالف کے وجوہ محتملہ کی خود ابتدار کرتے ہیں اور جو قابل قبول ہو مان لیتے ہیں اور جو قابل رد ہو طریقۂ حسنہ (اچھے طریقے) سے رد کرتے ہیں سو کہاں یہ مناظرہ اور کہاں آج کل کا مشاجرہ[1]

مروّجہ مُناظرہ حق کی تعیین کا معیار نہیں
بن سکتا

آج کل کا مناظرہ کسی طرح تعیین حق کا معیار نہیں بن سکتا اگر اس کو معیار قرار دیا جائے کہ جو ساکت اور مغلوب ہو جائے وہ باطل پر ہے اور جو بولنے میں غالب آجائے وہ حق پر سو یہ تو بالکل غلط ہے۔ بعض اوقات صاحب حق کو جواب حاضر نہ ہونے کیوجہ سے، یا اس شخص کے حاضر جواب نہ ہونے کیوجہ سے، یا اہل باطل کی الجھی ہوئی تقریر سے پریشان ہو جانے کی وجہ سے، یا اس کی بد زبانی سے مشتعل اور غضبناک ہوجانے کی وجہ سے فی الوقت تھوڑی دیر کے لئے سکوت ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس سکوت کی وجہ سے وہ

---

[1] حقوق العلم صـ ۸۲

حق باطل سے بدل گیا؟

جسطرح محاجہ بالسنان (نیزہ اور تلوار سے مقابلہ کرنے میں) بقول الحرب سجال۔ کبھی ایک غالب کبھی دوسرا غالب ہوجاتا ہے اسی طرح محاجہ باللسان (یعنی مناظرہ) میں بھی مشاہد ہے ؎۱

مروّجہ مناظروں سے نفرت اور اسکے جواز میں شبہہ

فرمایا آج کل مجھے مناظرہ سے سخت نفرت ہے۔ اور طالب علمی کے زمانہ میں بہت مناظرے کرتا تھا وجہ یہ ہے کہ آج کل مناظروں میں حق کی تحقیق تو مقصود رہا ہی نہیں صرف بات کی پچ کرنے پر آدمی مجبور رہتا ہے اس سے مجھے نفرت ہے ؎۲

مجھ کو آج کل کے مروّجہ مناظرہ سے نفرت ہے کیونکہ وہ اصول صحیحہ کے ماتحت نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کمال تو پیدا ہوتا نہیں نہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ویسے معقول غیر معقول ہانکتے رہتے ہیں نہ کسی بات کا سر ہوتا ہے نہ پیر ؎۳

مجھے تو آج کل مناظرے کے جواز میں شبہہ ہے بجز غلبہ کی نیت کے طلب حق تو بالکل مقصود نہیں ہوتی ؎۴

مناظرہ سے مجھ کو سخت نفرت ہے مراد آباد میں .... سے

؎۱ حقوق العلم ص۸۱ ؎۲ مجالس حکیم الامت ص۲۰۶ ؎۳ افاضات الیومیہ ص۳۳۹ ج۶ و ص۱۴۱ ج۷ ؎۴ حسن العزیز ص۱۲۵ ج۲

مناظرہ کرنے کے لئے ٹھہرالیا۔ میرے پاس خط آیا میں نے انکار لکھ بھیجا لیکن ایک بار مراد آباد ایسے قضیہ میں جانا پڑا۔ مگر اللہ جانے مجھے ایسی نفرت ہوئی کہ منہ دکھلاتے ہوئے شرم آتی تھی کہ کوئی اگر پوچھے کہ کیوں آئے ہو تو کیا کہوں۔ یوں کہوں کہ مناظرہ کے لئے آیا ہوں لاحول ولا قوۃ بڑی نامعقول حرکت ہے۔ مگر خیر مناظرہ نہیں ہوا۔ پھر وعظ وغیرہ ہوا اس سے نفع ہوا۔ ۱؎

آج کل کے مناظرے اور مناظرہ بازی

آج کل مناظرہ میں حق کو ثابت کرنے کے بجائے شفاءِ غیظ مقصود ہوتی ہے۔ جیسے کوئی کسی کو کہے "حرام زادہ" تو مقابل کو صرف حرام زادہ کہنے سے شفا نہیں ہوتی بلکہ یوں کہے گا تو حرام زادہ تیرا باپ حرام زادہ۔ اب پوری تسلی ہوگی مذہبی گفتگو میں بھی اب یہی حالت رہ گئی ہے کہ بے ادبی کا جواب زیادہ بے ادبی سے دیا جاتا ہے اور صریح بے ادبی کیسے جائز ہوگی ۲؎

آج کل جواب دینا قاطع اعتراضات داعتراضات کو ختم کرنے والا نہیں ہوتا۔ بلکہ کلام اور زیادہ طویل ہوجاتا ہے تو وقت بھی ضائع ہوا اور غرض بھی حاصل نہ ہوئی ۳؎

یہ جو آجکل کا طرز ہے کہ شبہات کا جواب دیا جاتا ہے اس سے شبہات کا اسقاط نہیں ہوتا گو اسکات ہوجاتا ہے معترض ساکت ہوجاتا ہے۔

۱؎ حسن العزیز ص ۱۴۶ ج ۱ ۲؎ ایضاً ص ۲۱ ج ۳ ۳؎ انفاس عیسیٰ ص ۹۱ ج ۲

Scanned by CamScanner

مناظرہ سے کوئی نتیجہ نہیں کیونکہ فریق مخالف پہلے ہی سے یہ سوچے ہوئے رہتا ہے کہ اگر کچھ کہے گا پھر جواب دوں گا۔ تصدیق اور تسلیم کر لینے کا اس کا کسی حال میں ارادہ نہیں ہوتا۔ [۱]

ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا ہی رہتا ہے، ہر شخص دوسرے کا جواب پھر دوسرا اس کا جواب الجواب، پھر وہ پہلا اس جواب الجواب کا رد پھر دوسرا اس رد کا رد، دونوں اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔ کسی جانب بھی سکوت نہیں رہتا بقول "ملا آں باشد کہ چپ نہ شود"۔ [۲]

مناظروں میں جاہلوں کی بڑی قدر ہوتی ہے جو بہت بک بک کرتا ہو اس کو کہتے ہیں کہ بڑا اچھا وکیل ہے خوب لڑتا ہے [۳]

مناظرہ بازی یا مولوی بازی

بعض علماء کو مناظرہ کا شوق ہوتا ہے وہ جہاں جاتے ہیں مناظرہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مناظرہ کے بعد بھی لوگ تو اسی حال پر رہتے ہیں جس پر پہلے سے تھے ہاں ان کا وقت اچھی طرح برباد ہوتا ہے۔ آج کل مناظروں میں حق کا اظہار مطلوب نہیں ہوتا محض ہار اور جیت مد نظر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر فریق اسی کوشش میں ہوتا ہے کہ جس طرح ہو سکے دوسرے کی ہر بات کو توڑا جائے۔ چاہے اس کے منہ سے ایک دو بات سچی بھی نکل جائے مگر یہ اس کو بھی رد کرنا چاہتے ہیں۔

ایک مرتبہ رام پور میں نواب صاحب نے قادیانیوں سے اہل حق کا مناظرہ

---

[۱] حسن العزیز ص۲۶۲ ج۱ [۲] تجدید تعلیم ص۶۴ حقوق العلم ص۸۱ [۳] حسن العزیز

Scanned by CamScanner

کرایا تھا جب میں وہاں سے لوٹا تو لوگوں نے مجھ سے مناظرہ کا حال پوچھا میں نے کہا کہ امیروں کو بازیوں، کا شوق ہوتا ہے آج مرغ بازی ہو رہی ہے کل تیتر بازی ہو رہی ہے پرسوں بٹیر بازی۔ نواب صاحب کو مولوی بازی کا شوق ہوا تھا انہوں نے مناظرہ کرا دیا کہ دو مولوی آپس میں کھڑے لڑ رہے تھے نواب صاحب کو لطف آ رہا تھا بس یہ حال تھا مناظرہ کا واقعی آج کل کے مناظروں کا یہی حال ہے

بچپن میں مجھے بھی اس کا شوق تھا مگر جتنا پہلے شوق تھا اب اتنی ہی نفرت ہے آج کل کے مناظرہ میں تو تو میں میں اور پھبتیاں بہت ہوتی ہیں جس سے سوائے اپنے مقابل کو رنج دینے کے کچھ مقصود نہیں ہوتا بات بات میں رسالے بازی ہوتی ہے جس میں طرز تحریر ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے مد مقابل کی خوب تحقیر و توہین ہو۔ اسی لئے آج کل مناظرہ سے ضد اور عداوت بہت بڑھ جاتی ہے میرے نزدیک آج کل کے مناظرے لایعنی میں داخل ہیں۔ محض فضول وقت ضائع کرتے ہیں جس سے نفع کم اور نقصان زیادہ تباہی ہے[ل]

آج کل کے مناظرین

بعضے لوگ اپنی شہرت اور ناموری کے لئے مجادلہ اور رد و قدح کی عادت ڈال لیتے ہیں اور دن رات اسی مشغلہ میں رہتے ہیں پھر اس کا غلبہ یہاں تک ہوتا ہے کہ غیر ضروری امور میں بھی بغیر نزاع کے نہیں رہتے پھر اکثر لوگوں کی غرض اس سے تحصیل جاہ ہوتی ہے۔ جس کی مذمت حدیث میں وارد ہے۔ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْلِیُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ یَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَیْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ (ترمذی و ابن ماجہ)

یعنی جس نے علم دین اس واسطے حاصل کیا تاکہ علماء سے مناظرہ کرے

[ل] ترک مالایعنی ص۲۸ ملحقہ حقیقت تقویٰ و تصوف

یا جاہلوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ دوزخ میں داخل کرے گا

بعض اوقات اس کا یہاں تک اثر ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی اپنے باطل پر اصرار کئے جاتے ہیں کہ کہیں بات کی ہیٹی نہ ہو جائے[1]

اور بعض لوگ خود اس کو مقصود اور دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس کی مذمت اس حدیث میں ہے مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا الخ (ترمذی و ابن ماجہ)۔ اَلْمُرَادُ بِالْجَدَلِ هٰهُنَا الْعِنَادُ وَالْمُرَادُ التَّعَصُّبُ (حاشیۃ الحدیث)

یعنی ہدایت کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوگی سوائے جدل والوں کے اور جدل سے مراد یہاں عناد اور تعصب ہے[2]

مناظرہ طالب علموں کا شطرنج ہے

فرمایا کہ مناظرہ طالب علموں کا شطرنج ہے میں اس کو پسند نہیں کرتا سوائے قیل وقال اور تضیع اوقات کے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا اظہار حق کی نیت تو کسی کی بھی نہیں ہوتی اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔ بس یہ نیت ہوتی ہے کہ ہیٹی نہ ہو سکی نہ ہو، صرف ہٹ دھرمی سخن پروری ہوتی ہے[3]

---

[1] حقوق العلم ص ۷۲ [2] ایضاً ص ۷۲ [3] انفاس عیسیٰ ص ۶۲۰ ج ۲

Scanned by CamScanner

۔ مناظرہ کیساتھ شوخی کچھ لازم سی ہوگئی ہے میں اس کو پسند نہیں کرتا پہلے مجھے بھی مناظرہ کا شوق تھا تو کلام میں شوخی ہوتی تھی مگر اب تو اس سے نفرت ہے[1]

طلبہ کے مشقیہ مناظرے

بعض جگہ طلباء کو مناظرہ کی تعلیم اسطرح دیجاتی ہے کہ ایک جماعت فرضی عیسائی بنتی ہے اور ایک مسلمان پھر وہ جماعت جو عیسائیوں کیطرف سے وکالت کرتی ہے وہ بالکل اس طرح گفتگو کرتی ہے جیسے سچ مچ کوئی عیسائی بول رہا ہے مثلاً وہ اپنی مقابل جماعت سے اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ آپ کے قرآن میں لکھا ہے اس سے ہماری تائید ہوتی ہے اور ہماری انجیل میں یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔

ایک مدرسہ کے مہتمم نے مجھے طلباء کا مناظرہ دکھلایا تھا وہاں میں نے یہ طرز دیکھا واللہ ان طلبہ کی اس گفتگو سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے جب وہ مناظرہ ختم ہوگیا تو مہتمم صاحب کہنے لگے اس میں کوئی بات قابل اصلاح ہو تو فرما دیجئے میں نے کہا یہ تو سر سے پاؤں تک ہی بگڑا ہوا ہے میں کس بات کی اصلاح کردوں اس طرز میں ایک ضرر تو یہی ہے کہ مسلمان سے عیسائی بن گئے[2]

---

[1] مجالس حکیم الامت ص ۲۸۸ [2] التبلیغ ص ۱۲۱ ج ۲۱

سلب ایمان کا خطرہ

دوسرے یہ کہ مناظرہ میں ہر فریق کو اپنی بات کا اونچا رکھنا مدنظر ہوتا ہے تو یہ صورت مطلقاً بھی اور خصوصاً اس طور پر نہایت سخت ہے ایک فریق اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کرے جس سے بعض دفعہ سلب ایمان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ آج کل طبیعتوں میں سلامتی نہیں ہے نیتیں درست نہیں ہیں پس ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس طرز پر نیت کو درست رکھ سکیں۔ ممکن ہے کوئی شخص کسی وقت محض اپنی بات کی پچ کرنے لگے اور نفسانیت کی وجہ سے اسلام کی جانب کو کمزور کرنے لگے تاکہ سننے والے یہ کہیں کہ فلاں شخص نے بڑی زوردار تقریر کی اور اس کا انجام جو کچھ ہے ظاہر ہے[1]

مناظرہ میں عوام طلباء کی شرکت کا نقصان

تیسرے یہ غضب ہے کہ اس قسم کے مناظرہ میں بعض دفعہ عوام بھی شریک ہو جاتے ہیں جس میں بڑا اندیشہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں فریق باطل کے دلائل بیٹھ جائیں اور اہل حق کیطرف سے جو اس کا جواب بیان کیا جائے وہ اس کی سمجھ میں نہ آئے یا جس طالب علم نے اہل اسلام کی طرف سے جواب دیا ہے اس کی تقریر اچھی نہ ہو تو اس عامی شخص کا ایمان اس صورت میں برباد ہو جائے گا۔ اس

---

[1] التبلیغ صـ ۱۲۱ ج ۲۱

لئے میرے نزدیک یہ طرز بالکل قابل ترک ہے۔ الغرض آج کل مناظرہ کی تعلیم جس طرز سے دیجاتی ہے وہ قابل ترک ہے[1]

مناظرہ سیکھنے کے بارے میں حضرت تھانوی کی رائے

مناظرہ فی نفسہ جائز ہے لیکن اس طرز سے اس کی تعلیم مضر فی الدین ہے اس لئے اس طرز تعلیم و تعلم کو ممنوع کہا جائے گا۔ میرے نزدیک تو مناظرہ کے لئے تعلیم و تعلم ہی کی ضرورت نہیں۔ فطرت سلیم (اور علم صحیح ہو تو انسان ہر باطل مذہب کا رد بہت آسانی سے کر سکتا ہے[2]

ضرورت کی وجہ سے شعبۂ مناظرہ کا قیام

(لیکن اگر واقعی اس کی ضرورت محسوس ہو تو) بس اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کاموں (تقریر و مناظرہ) کے لئے مستقل مدارس (شعبے) قائم کئے جائیں[3]

دوران تعلیم شعبۂ مناظرہ میں حصہ لینے کا نقصان

میں اس کا بھی مخالف ہوں کہ دینی مدارس میں دوران تعلیم تقریر و مناظرہ

---

[1] التبلیغ ص۱۲۱ ج۲۱ و ص۱۳۱ [2] ایضاً ص۱۲۰ و ۱۲۲ ج۲۱ [3] ابوالیتامیٰ ص۴۴

کی تعلیم کے لئے (باقاعدہ) کوئی شعبہ قائم کیا جائے۔ کیونکہ تجربہ ہے کہ طالب علم تقریر و مناظرہ میں زمانۂ تعلیم کے وقت مشغول ہو کر پھر کتابوں میں پوری توجہ نہیں کر پاتے جس سے ان کی استعداد ناقص رہ جاتی ہے[۱]

باب (۳)

مناظرہ کا متبادل

مناظروں سے اہل باطل کو فروغ ہوتا ہے اور نتیجہ کچھ نہیں ہوتا البتہ اہل باطل کا اثر مٹانے کے لئے حق کی تقریر اور اشاعت بار بار جابجا کرنا بیشک بہت نافع ہے[۲]

دوسرا طریقہ اس سے زیادہ مؤثر اور بہتر بھی ہے وہ یہ کہ عام اطلاع کے بعد مسجدوں اور مجلسوں میں وقار اور متانت کے ساتھ وعظ کہا جائے اور اس میں احقاق حق و ابطال باطل کیا جائے۔ جیسا کہ اب تک بزرگوں کا طریقہ رہا ہے۔

یا رسائل دینیہ کی صورت میں حدود شرعیہ کے اندر (کہ تہذیب اسکے لوازم میں سے ہے) اصلاحی مضامین شائع کئے جائیں یہ طریقہ نافع بھی زیادہ ہے اور قانون عقلی بھی ہے۔

اور عقلی و نقلی قانون ہے کہ جس مقصود کے دو طریق ہوں ایک مشکل دوسرا آسان تو آسان کو اختیار کرنا چاہیئے چنانچہ حدیث میں اس کا سنت ہونا مصرح

---

[۱] الواتیامی ص۱۵۲ [۲] انفاس عیسیٰ ص۵۹ ج ۲ ص۸۴ [۳] کلمۃ الحق ص۱۳۳ [۴] العول ...

کبھی ہے۔ ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرھما او کما قال۔ اسی قانون کی بنا پر اس طریق کو (دوسرے طریق پر) ترجیح ہوگی [1]

قرآن مجید کا انداز

قرآن پاک کا بھی یہی طرز ہے کہ احکام بیان کر دیئے مخالف پر زیادہ رد و قدح نہیں کیا ایک مولوی صاحب نے عجیب بات کہی ہے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مناظرہ سے لوگوں کو کبھی نفع نہیں ہوا تبلیغ سے ہوا ہے اور وہ بھی اس تبلیغ سے جو وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کے ماتحت ہو [2]

قرآن مجید کا طرز دیکھو، بہت دفعہ معجزات کا مطالبہ کیا گیا مگر معجزہ ظاہر نہیں کیا گیا [3]

انبیاء علیہم السلام کا طریقہ

بس کرنا یہ چاہیئے کہ جب اہل باطل اپنی (بکواس) بکیں تو اپنی حق بات الگ کہنے لگیں زیادہ اچھا طریقہ یہی ہے انبیاء کا یہی طریقہ ہے کفار کے جواب میں اتنی مشغولی نہیں کرتے تھے البتہ حق کا اعادہ بار بار کرتے تھے جواب کے درپے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ اسی سے زیادہ نفع ہوا

مجھے طالب علمی ہی کے زمانے میں تجربہ ہو گیا تھا۔ اور بجائے مناظرہ کے میں یہ کرتا تھا کہ عیسائیوں وغیرہ کے مقابلے میں اپنا وعظ دوسری طرف کھڑے ہو کر کہنے لگتا تھا اس سے بہت نفع ہوتا تھا۔ حسن العزیز ص۴۶۱ ج۱

---

[1] امداد الفتاویٰ ص۳۳۵ ج۶ [2] افاضات الیومیہ ص۲۰۶ ج۷ [3] کلمۃ الحق ص۹۶

Scanned by CamScanner

مناظرانہ انداز خلاف سنّت ہے شر وفتنہ کو ختم کرنیکی آسان ترکیب

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا کا ترجمہ میں نے اپنی تفسیر میں بہت اچھا کیا ہے یعنی رفع شر کی بات۔ واقعی رفع شر اسی صورت میں ہے کہ ان کے جواب کے درپے نہ ہوں کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ مذمم (قابل مذمت) کہا کرتے تھے دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کس طرح ٹھنڈا فرمایا۔ فرمایا اُنْظُرُوْا كَيْفَ صَرَفَ اللّٰهُ عَنِّيْ شَتْمَ قُرَيْشٍ يَشْتُمُوْنَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَاَنَا مُحَمَّدٌ یعنی فرمایا کہ مذمم میں تھوڑی ہوں میں تو محمدؐ ہوں وہ جو کچھ کہتے ہیں مذمم کو کہتے ہیں جو مذمم ہو برا مانے میں تو محمدؐ.. ہوں گو اس پر منطقی شبہہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں لیکن مذمم سے تو ان کی مراد حضورؐ ہی ہیں لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ آپ نے صحابہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا، بات کو ختم کرنا چاہا، بات کو بڑھانا نہیں چاہا سو اس مقصد میں یہ منطقی شبہہ مخل نہیں یہ طریقہ سنّت ہے[1]

حضرت تھانویؒ کا معمول

میں نے وعظ میں ان سب شبہات کا جواب دیا پھر اعلان کیا کہ اگر کسی کو کوئی شبہہ ہو تو دریافت کر لے بعد میں شکایت نہ کرنا کہ ہمارا شبہہ حل نہ ہوا غیر مسلموں سے مناظرہ زیادہ تر عوام کے لئے مضر ہے نافع طریقہ یہ ہے کہ بیان کیا جائے میں نے ایک وعظ بیان کیا ہے اس کا نام محاسن الاسلام رکھا ہے جو چھپ بھی گیا ہے دیکھنے کے قابل ہے[2]

[1] حسن العزیز ص۵۹۰ ج ۱ [2] کلمۃ الحق ص۱۲۹۰

Scanned by CamScanner

بجائے مناظرہ کے پرانا طرز بھی کافی ہے

ہمکو مناظرہ کا ڈھنگ پسند ہی نہیں نہ ہم کو غیروں کے اعتراضوں پر نظر انکے مذہب پر نظر جس کی مناظرہ میں ضرورت ہوتی ہے البتہ ہمکو یہ معلوم ہے کہ ہم میں کوئی عیب نہیں ہے اگر کوئی ہمیں یہ کہے کہ تم کانے ہو تو یہ ضرورت نہیں کہ جواب میں ہم یہ ثابت کریں کہ تم اندھے ہو بلکہ محض یہ کہنا کافی ہے کہ اگر ہم کانے ہیں تو تم ہماری اچھی آنکھ کو بند کر لو دیکھو پھر بھی ہم دوسری آنکھ سے جسکو تم کانی بتاتے ہو نظر آتا ہے یا نہیں۔

اسی طرح جو لوگ مناظرہ کرنے والے ہیں جن کی دوسرے مذاہب کی حالات پر بھی کافی نظر ہے وہ تو یوں محبت کرتے ہیں کہ مخالف نے ان کو کانا کہا انہوں نے اس کا اندھا ہونا ثابت کر دیا اور ہم یہ کرتے ہیں کہ اپنا بے عیب ہونا ثابت کر دیتے ہیں ہم کو مناظرہ کا زیادہ شوق نہیں بس ہم کو تو پرانا ذوق آتا ہے اور یہ بھی کافی ہے۔

علاوہ ازیں سب سے آخری بات یہ ہے کہ ہم کو تو خدا اور رسول کے حکم کی اتباع کرنا ہے اور کسی کی جرح وقدح سے کیا مطلب باقی میں نے جو مخالفین کے شبہات کا کچھ جواب دیدیا ہے یہ محض تبرع ہے کیونکہ بعض ناواقف مسلمان ان سے متاثر ہو جاتے ہیں اور یہ ان کی قوت اسلامی کے ضعف ہونے کی دلیل ہے ورنہ اگر جاہل مسلمان بھی پکا مسلمان ہو تو قیامت تک کسی فلسفی کے باپ سے بھی متاثر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی ہے اور اس کے پاس تمام اعتراضوں کا جواب یہ ہوتا کہ احمق ہم کو حضور نے تو ابھی یہی حکم دیا ہے کہ جانور ذبح کر دو بخدا حضور اگر ہمیں یہ حکم دیتے کہ اپنی اولاد اور بیوی کو ذبح

Scanned by CamScanner

کردو تو ہمیں اس سے بھی دریغ نہ ہوتا۔ (سنت ابراہیم صـ۶۲)

عوام النّاس کی درخواست پر ان کے تابع ہو کر مناظرہ کرنا

اہل علم عوام کی رعایت کر کے ان کے تابع ہو جاتے ہیں اسلیئے ان کی درخواست پر مناظرہ کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں اس تابع ہوجانے سے بڑا نقصان ہوتا ہے خود قرآن مجید کا طرز دیکھو بہت دفعہ معجزات کا مطالبہ کیا گیا مگر معجزہ ظاہر نہیں کیا گیا یعنی مخاطب کی رعایت نہیں کی گئی

ایک اہل علم نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ (پہلوان) سے کشتی لڑی تھی اس میں عامی شخص کی درخواست کی رعایت کی تھی فرمایا یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا ورنہ آج کسی مولوی سے آریہ ناریہ اگر کہنے لگیں کہ آؤ مجھ سے کشتی لڑو تو کیا لڑنے لگیں گے

اور اکثر لوگ عوام کی رعایت طلب جاہ کے لئے کرتے ہیں یا طلب مال کے لئے تو یہ رعایت کی بنا رہی معصیت ہے [1]

بدگمانی و بداعتقادی کے خطرہ سے مناظرہ کرنا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مناظرہ نہ کرنے سے عوام النّاس کے

---

[1] کلمۃ الحق صـ۹۶

اعتقاد میں خلل پڑتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس خاص مناظرہ نہ کرنے والے سے بد اعتقاد ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی دینی مضرت نہیں ہے انبیاء میں سے ہر نبی کا ماننا فرض ہے علماء میں سے ہر عالم کا ماننا فرض نہیں ہے [1]

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت تھانوی کا مکالمہ

مثلاً کسی شخص پر یہ الزام عائد کیا گیا ہو کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا تو ایسے وقت میں کیا حکم ہے؟ مولانا خلیل احمد صاحب مُصر تھے کہ آپ برائت ظاہر کر دیجئے لیکن حضرت نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ اس میں میرا کیا ضرر ہے حضرت مولانا نے فرمایا کہ دوسروں کا تو ضرر ہے وہ بد اعتقاد ہوتے ہیں بدگمان ہوتے ہیں۔ برا بھلا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔ میں نے کہا دو صورتیں ہیں یا تو ان کے پاس شرعی دلیل نہیں یا شرعی دلیل ہے اگر شرعی دلیل ہے تو گناہ ہی نہیں پھر ان کو اس سے بچانے کی کیا ضرورت۔ اور اگر شرعی دلیل نہیں ہے تو وہ خود اپنے ہاتھ گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں ہم کو اوروں کے بچانے کی کیا ضرورت اس پر مولانا خاموش ہو گئے [2]

---

[1] حقوق العلم ص ۸۰ [2] افاضات الیومیہ ص ۴۰۵ ج ۷

عوام کی ذمہ داری

عوام کی ذمہ داری ہے کہ اپنے تردد وتذبذب (شکوک و شبہات کو علماء سے رجوع کرکے رفع کرلیں یہ کیا ضروری ہے کہ یہ بار بھی علماء ہی کے ذمہ ڈالا جائے [1]

باب (۴)

مناظرہ کب اور کہاں مفید ہے

مناظرہ کرنے کا تیسرا سبب بعض کی نیت شفقت کا ہونا بھی ہے کہ عوام کی درخواست پوری نہ کرنے سے کبھی لوگ گمراہ نہ ہو جائیں مگر خوب یاد رکھو یہ بھی مفید نہیں فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ لوگ طالب ہدایت ہوں اور متردد ہوں اور جس سے ہدایت کے طالب ہوں ان پر اعتقاد بھی رکھتے ہوں [2]

جہاں متردین کے شبہات کے ارتفاع (ختم کرنے) کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ ہو وہاں مناظرہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں [3]

---

[1] حقوق العلم ص ۸۰ [2] کلمۃ الحق ص ۹۶ [3] حسن العزیز ص ۴۶۲ ج ۱

مناظرہ کس سے کرنا چاہئے

میں مناظرہ اس سے کرتا ہوں جو مناظرہ کرنا نہ چاہے بلکہ سمجھنا چاہے تو میں بھی اس وقت سمجھانا چاہتا ہوں باقی یہ متعارف (مروجہ) مناظرہ کا طرز محض ضداضدی لفسا لفسی ہے ردّ و قدح ہے [1]

معاند اور مجادل کو کبھی ہدایت نہیں ہوتی (کلمۃ الحق ص ۹۶)

محققین جواب بھی اس وقت دیتے ہیں جب کہ ثابت ہو جائے کہ واقعی سائل کو طلب ہے اور نفع کی امید ہے صرف مشغلہ نہیں ہے [2]

البتہ مناظرہ کی کوئی فرد (شق، صورت) ایسی ہو کہ شرائط کے پائے جانے کی وجہ سے شرعاً مطلوب ہو گو اس میں اس قسم کے مفاسد بھی ہوں تو اس کا ارتکاب کیا جائے گا اور مفاسد کا حتی الامکان انسداد کرینگے اور جس کا انسداد بندوبست اپنے اختیار سے خارج ہوگا اس کی پرواہ نہ کریں گے [3]

مسلمانوں سے مناظرہ حتی الامکان نہیں کرنا چاہیئے

حضرت مولانا قاسم صاحبؒ مناظرہ سے بہت نفرت کرتے تھے۔ مسلمانوں سے بالکل مناظرہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں کفار سے کرتے تھے۔ [4]

---

[1] افاضات الیومیہ ص۳۸۴ ج ۸ [2] حسن العزیز ص۳۱۶ ج ۴ [3] حقوق العلم ص۸۰ [4] حسن العزیز ص۲۱۶ ج ۱

مولانا قاسم صاحبؒ سوائے کفار سے کسی سے مناظرہ کرتے (ہی) نہ تھے۔ بہت ہی مجبوری میں ایک بار بعض شیعہ اور بعض غیر مقلدین کا جواب لکھا تھا۔ ورنہ جو مسلمان کہلاتے ہیں خواہ وہ مسلمان نہ ہوں ان سے گفتگو کرنا پسند نہ تھا۔ ۱؎

کفار سے مناظرہ میں عوام کی شرکت کا نقصان

آج کل غیر مسلموں سے مناظرہ کرنا زیادہ تر عوام کے لئے مضر ہی ہے اگر ضرورت کی بنار پر علمار مناظرہ ہی کریں تو خلوت میں کریں عام مجمع کے سامنے نہ کریں عام مجمع میں مناظرہ کرنا بہت مضر ہے ——

اور مناظرہ کا ضرر اس وجہ سے ہے کہ عوام الناس جہلار شبہہ سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات جواب سمجھ میں آتا نہیں تو خوامخواہ شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور راز اس کا یہ ہے کہ شبہہ کی بنار تو جہل پر ہے۔ اس لئے کہ جب کبھی شبہہ پیدا ہوگا کسی ضروری مقدمہ سے غفلت (نظر انداز کر دینے) پر مبنی ہوگا چونکہ اس مقدمہ کا علم نہیں ہوتا اس واسطے شبہہ پیدا ہو جاتا ہے اور جواب میں اس مقدمہ سے تعرض ہوگا۔ اور اس علمی مقدمہ کا سمجھنا بعض دفعہ مشکل ہو جاتا ہے اور شبہ ذہن میں رہ جاتا ہے ۲؎

بعض دفعہ عوام بھی مناظرہ میں شریک ہو جاتے ہیں جس میں بڑا اندیشہ

۱؎ کلمۃ الحق ص ۹۴ و ص ۹۵ ۲؎ حسن العزیز ص ۱۸۲ ج ۳

Scanned by CamScanner

یہ ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں فریق باطل کے دلائل بیٹھ جائیں۔ اور اہل حق کی طرف سے جو اس کا جواب بیان کیا جائے وہ اس کی سمجھ میں نہ آئے یا جس نے اہل اسلام کی طرف سے جواب دیا ہے اس کی تقریر اچھی نہ ہو۔ تو اس صورت میں اس عامی شخص کا ایمان برباد ہو جائے گا۔[1]

اہل باطل کے شبہات یا مناظرہ کا عوام میں نقل کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اہل باطل کے شبہات کا عوام میں ظاہر کرنا بھی مضر ہے۔ گو ساتھ میں ان کا رد بھی کر دیا جائے۔ کیونکہ عوام کے ذہن پہلے سے خالی ہوتے ہیں۔ خود نقل کرنا ان کے ذہن میں خواہ مخواہ شبہات کا ڈالنا ہے پھر خواہ وہ زائل ہی کر دیئے ہوں کیونکہ اس صورت میں یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ شبہات پیدا ہو جانے کے بعد پھر باوجود ان کا رد کر دینے کے زائل ہی نہ ہوں۔[2]

فصل اعتراض و شبہات کے جلدی اور جواب کے دیر میں سمجھ میں آنیکی وجہ

فرمایا اہل باطل جب اہل حق پر اعتراض کرتے ہیں اور اہل حق

---

[1] التبلیغ ص۱۲۲ ج ۲۱ [2] افاضات الیومیہ ص۱۳۵ ج ۹

اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں تو بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اعتراض تو عام لوگوں کی سمجھ میں آجاتا ہے مگر اس اعتراض کا جو جواب دیا جاتا ہے وہ دیر میں سمجھ میں آتا ہے بلکہ بعض مرتبہ نہیں آتا تو اس سے لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ اعتراض صحیح ہے اور اس کا جو جواب دیا گیا وہ کافی نہیں حالانکہ لوگوں کا یہ سمجھنا غلط ہے۔

کیونکہ اعتراض کے جلد سمجھ میں آجانے کی اور جواب کے دیر میں سمجھ میں آنے کی وجہ اس جواب کا ناکافی ہونا اور اس اعتراض کا صحیح ہونا نہیں ہے بلکہ اعتراض اور جواب کے مناشی پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی وجہ دوسری ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ غور کرنا چاہیئے کہ اعتراض کا منشار (اور سبب) کیا ہوتا ہے یعنی وہ کیا چیز ہے جس سے اعتراض پیدا ہوتا ہے

امر حق پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کا اصلی منشار اور حقیقی سبب یہ ہوتا ہے کہ معترض کی نظر سے کوئی نہ کوئی ضروری مقدمہ چھوٹا ہوا ہوتا ہے خواہ اس کو اس ضروری مقدمہ کا علم پہلے ہی سے نہ تھا یا پہلے سے تو تھا لیکن اس وقت اس کے ذہن میں مستحضر نہیں رہا اس ضروری مقدمہ کا علم نہ ہونے سے معترض کے دل میں وہ اعتراض پیدا ہوتا ہے اور کسی بات کا علم نہ ہونا یہی جہالت ہے پس معلوم ہوا کہ غلط اعتراض کا منشار اور سبب ہمیشہ جہالت ہوتا ہے اور آجکل جہالت کی کثرت ہے بخلاف جواب کے کہ اس کا منشار اور سبب علم ہوتا ہے اور علم آجکل ہے نہیں پس جواب کا جو منشار اور سبب ہے وہ تو لوگوں میں ہے نہیں اور اعتراض کا جو منشار اور سبب ہے وہ لوگوں میں موجود ہے اس

لئے اعتراض تو جلدی سمجھ میں آجاتا ہے اور جواب سمجھ میں نہیں آتا۔

مثلاً ایک تقدیر ہی کا مسئلہ ہے اس مسئلہ کے باوجود اس قدر یقینی ہونے کے اس مسئلہ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں وہ عوام الناس کی سمجھ میں جلد آجاتے ہیں اور علماء وحکماء کیطرف سے جو اس کا جواب دیا جاتا ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا اور سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے بعض دفعہ خیال کیا جاتا ہے کہ جواب کافی نہیں ہوا حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ دقیق ہے اس لئے اس کا جواب اعلیٰ درجہ کے علم سے ناشی ہوتا ہے اور علم لوگوں میں ہے نہیں اور اعتراض پیدا ہوتا ہے جہالت سے اور جہالت لوگوں میں بکثرت ہے تو جس بات سے وہ جواب ناشی ہوا ہے وہ لوگوں میں ہے نہیں اور اعتراض کا منشاء لوگوں میں موجود ہے اس لئے اس مسئلہ پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ تو جلد سمجھ میں آجاتا ہے اور جو اس کا جواب دیا جاتا ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا[1]

باطل مسلک اور مناظرہ کی کتابیں بھی ہر ایک کو نہ دیکھنا چاہیے

جس کو کتاب دیکھ کر شبہات ہوتے ہوں اور ان کو حل کرنے کی وہ قابلیت نہ رکھتا ہو اس کو ان کتابوں کا دیکھنا زہر قاتل ہے

---

[1] القول الجلیل ص ۹۱ ج ۲

پہلے علم حاصل کرنا چاہیئے ورنہ بلا ہتھیار کے میدان جنگ میں جانا ہے۔

* * *

میں بطور نصیحت کے عرض کرتا ہوں کہ بلا کافی علم کے ان قصوں میں پڑنا خطرناک ہے ...... اس سے کہہ دینا چاہیئے کہ اس بحث کو علماء جانیں ان سے گفتگو کر لو۔[1]

مناظرہ کے قصد سے بھی مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہیئے کیونکہ پہلوان اگر کسی سے کشتی کرنا چاہے تو اس کو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ مقابل اپنے سے کمزور ہے یا زبردست اگر کمزور ہو تو اس سے مقابلہ کرے ورنہ اس سے دور ہی رہے۔[2]

میں خیرخواہی سے کہتا ہوں کہ (مخالفین کی نئی) نئی کتابیں نہ دیکھا کیجیئے، خواہ مخواہ کوئی شبہہ دل میں بیٹھ جائے گا جس کا حل آپ سے نہ ہو سکے گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خیال کے (پکے" آدمی) ہیں ہمارے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے مگر اس قصہ میں ان کو غور کرنا چاہیئے۔

……

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو توریت اچھی معلوم ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر پڑھنے لگے۔ بتائیے اس میں کیا خرابی تھی حضرت عمرؓ جیسے کامل الایمان جن کی شان میں وارد ہے۔ الشیطٰن یفر من ظل عمر (شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے) ان کے اوپر شیطان کا اثر ہونا کیا معنی جس مجلس میں وہ موجود ہوں وہاں شیطان ٹھہرتا بھی نہیں

---

[1] حسن العزیز ص ۳۱۲ و ص ۳۱۵ ج ۴ [2] ملفوظات اشرفیہ ص ۶۸

Scanned by CamScanner

اور توریت جیسی آسمانی کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی گئی۔ اگر کوئی مضمون کی خرابی بھی ہو جائے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس کی اصلاح فرما دیتے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار ہوا حضرت عمر کو جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے آگاہ کیا کہ دیکھتے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر کیا اثر ہے تو حضرت عمرؓ کانپ گئے اور بہت توبہ و استغفار کی اور معافی مانگی حضورؐ نے فرمایا اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے سوائے اس کے کہ میرا اتباع کرتے اور کچھ نہ ہوتا یعنی پھر کیا ضرورت ہے کہ اس کتاب کو دیکھو جس میں تحریف ہو چکی ہو

توریت میں تحریف کی آمیزش تھی جب اس کے دیکھنے سے منع کیا گیا تو جو کتابیں صرف الحاد و زندقہ کی ہوں ان کا حکم ظاہر ہے اور جب حضرت عمرؓ کو منع کیا گیا تو ہم کیا ہیں اور نہ معلوم کیوں دیکھتے ہیں [1]

اہل باطل کی تصانیف جو بظاہر مفید ہوں ان میں بھی باطل کی جھلک ہوتی ہے اور اہل حق اس کا پردہ فاش کر دیتے ہیں اس لئے باطل کی مفید تصانیف کا دیکھنا بھی مضر ہے [2]

---

[1] حسن العزیز ص ۲۲۹ ج ۴ [2] ایضاً ص ۱۸۸ ج ۲

باطل مسلک اور دوسرے مذاہب کی معلومات کی ضرورت

(البتہ) الزامی جواب کے لئے دوسرے مذہب سے واقفیت ضروری ہے۔ اس کے لئے مخالف کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے (تاکہ تردید کی جاسکے) (لیکن مناظرہ کی ضرورت سے اگر کبھی دیکھنا پڑے تو ضرورت سے تجاوز نہ ہونا چاہیئے [1]

(البتہ) جو شخص اپنے مذہب کی پوری معلومات نہ رکھتا ہو اس کے لئے غیر مذہبوں کی کتابوں کا مطالعہ بہت خطرناک ہے قلب کے لئے سخت مضر ہے [2]

عوام الناس کو مناظرہ و مباحثہ سے اجتناب کی ضرورت، ضروری دستور العمل

عوام کے لئے سیدھا سچا جواب یہی ہے کہ ہم نہیں جانتے ہمارے علماء سے پوچھ لو۔ صحابہ کا تو یہ طرز تھا کہ بے تکلف کہہ دیا کرتے تھے کہ ہمیں نہیں معلوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر بتلائیں گے اصلی اور اسلامی طریقہ یہی ہے [3]

ایک صاحب نے سوال کرنا چاہا کہ ایک ہندو نے یہ اعتراض کیا تھا فوراً حضرت نے فرمایا اگر خود آپ کو تردد ہو تو دریافت

---

[1] مجالس حکیم الامت ص۱۹۱ [2] ایضاً ص۱۸۱ وص۱۹۱ [3] حسن العزیز ص۵۸۷ ج۱

کیجئے۔ اور شبہہ کو خود اپنی طرف سے نقل کیجئے۔ انھوں نے کہا مجھے تو تردّد نہیں ہے میں تو اسلام کو حق سمجھتا ہوں فرمایا پس پھر تو پوچھنا فضول ہے

انہوں نے کہا بعض مرتبہ ہندو لوگ اعتراض کر بیٹھتے ہیں فرمایا کہ آپ ان سے یہ کہہ دیا کیجئے کہ ہم نہیں جانتے ہمارے علمار سے پوچھو۔ پھر علمار خود نبٹ لیں گے یہ تو ظاہر ہے کہ آپ سب اعتراضات کے جوابات یاد کر نہیں سکتے اگر اس اعتراض کا جواب یہاں سے سن کر آپ نے دے بھی دیا تو اور کس کس… اعتراض کا آپ جواب دیں گے کہیں نہ کہیں پہونچکر آپ کو ضرور کہنا ہوگا کہ ہم نہیں جانتے. ہمارے علمار سے پوچھو شروع ہی سے یہ کیوں نہ کہہ دیا جائے [1]

عوام کے لئے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ صاف صاف کہہ دیں کہ ہم بلاضرورت گفتگو نہیں کرنا چاہتے مذہبی گفتگو سے ہمیں رنج ہوتا ہے

اسی طرح اگر اپنے بزرگوں کو کوئی برا بھلا کہے تو فوراً نرمی کے ساتھ کہہ دے کہ ہمیں صدمہ ہوتا ہے ہمارے سامنے اس طرح کی باتیں نہ کہو یہ عنوان بہت نافع ہے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا سلامًا کا بہت اچھا ترجمہ میں نے اپنی تفسیر میں کیا ہے یعنی کہتے ہیں رفع شر کی بات۔ واقعی رفع

---

[1] حسن العزیز ص ۵۸۷ ج ۱

شر اسی میں ہے کہ ان کے جواب کے درپے نہ ہو[1]

باب (۵)

مناظرہ خطرناک چیز ہے ہر شخص کو نہیں کرنا چاہیئے

فرمایا آج کل مناظرہ بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ ہر شخص کو مناظرہ کرنا مناسب نہیں۔ اس کیلئے بڑے فہم اور عقل کی ضرورت ہی میں نے خود بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ مناظرہ کرتے کرتے خود بگڑ گئے اور بددین ہو گئے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ سیدھا سیدھا اپنے روزہ نماز میں لگا رہے اور ان جھگڑوں میں نہ پڑے[2]

غیر محقق کو مناظرہ کی اجازت نہیں

پہلوان اگر کسی سے کشتی کرنا چاہے تو اس کو پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ مقابل اپنے سے کمزور ہے یا زبردست۔ اگر کمزور ہو تو مقابلہ کرے ورنہ اس سے دور ہی رہے۔ ایسے شخص کا مقابلہ وہ کرے جو اس سے زبردست ہو پس محقق کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ مخالفین کے رد کے درپے ہو کیونکہ غیر محقق کے بارے میں اندیشہ ہے کہ کبھی خود ہی شک میں پڑ جائے[3]

---

[1] حسن العزیز ص ۵۸۹ و ص ۵۹۰ ج ۱ [2] انفاس عیسیٰ ص ۶۴۸ ج ۲ [3] ملفوظات اشرفیہ ص ۶۸

Scanned by CamScanner

غیر محقق کے مناظرہ کرنے کا انجام

دو طالب علموں کا قصہ

(غیر محقق کو) اہل باطل سے مناظرہ کبھی نہ کرنا چاہیئے کیونکہ مناظرہ میں ان سے تلبّس ہوتا ہے اور تلبّس سے اثر ہو جاتا ہے [1]

میرے یہاں کے دو طالب علم ایک مبتدع (بدعتی) شخص سے مناظرہ کرنے گئے مگر خدا جانے کیا ہوا۔ اس سے بیعت ہو گئے مجھے خبر ہوئی تو میں نے وہ بیعت ان سے علی الاعلان فسخ کرائی۔ اس کو خبر ہوئی تو اس نے کہا میں چلّہ کھینچتا ہوں دیکھنا ۴۰ دن میں کیا ہوتا ہے میں نے کہلا بھیجا ۸۰ دن میں بھی کچھ نہ ہوگا بعد میں اس نے کچھ کیا ہوگا مگر پھر یہ ہوا کہ وہ شخص ایسا نرم ہوا کہ کبھی کبھی خط بھی بھیجا اس سے میں نے سمجھا کہ غالباً اس نے کچھ کیا ہوگا جب کچھ نہ ہوا تب وہ .. ڈھیلا ہوا [2]

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا قصہ

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رح کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت روزہوا کرتی تھی ـــــ ایک مرتبہ راستہ میں ایک فقیر (درویش) کو سنا اس سے ملنے گئے تو اس نے شراب پیش کی ....

---

[1] افاضات الیومیہ ص۱۳۵ ج ۹ [2] حسن العزیز ص۳۲۰ ج ۴

انہوں نے انکار کیا۔ اس نے کہا پچھتاؤ گے۔ انہوں نے کچھ التفات نہ کیا۔ رات کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے انہوں نے (شیخ عبدالحق دہلویؒ) نے چاہا کہ وہ اندر جائیں مگر دیکھا کہ وہ فقیر دروازہ پر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک شراب نہ پیئے گا ہرگز نہ جانے پائے گا۔ چنانچہ محروم رہے انھوں نے کہا زیارت واجب نہیں اور شراب سے بچنا واجب ہے۔ اگلے دن بھی یہی قصہ پیش آیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی دیکھا بس انھوں نے مجلس کے باہر سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آواز دی حضورؐ نے اس فقیر کو ڈانٹا اور فرمایا اخسا یا کلب (اے کتے دور ہو) اور ان کو اندر بلا لیا۔ صبح کو انہوں نے اس فقیر کے مکان پر جا کر دیکھا تو وہ فقیر نہیں تھا لوگوں سے پوچھا فقیر کہاں گیا کسی نے کہا معلوم نہیں ہاں اتنا دیکھا ہے کہ ایک کتا یہاں سے نکل کر چلا گیا

حضرت نے فرمایا ایسے تصرفات بھی اہل باطل کے ہوتے ہیں[1]

ایک عجیب واقعہ، بلا ضرورت اہل باطل سے ملنے اور مناظرہ سننے کا وبال

حضرت حکیم الامت رحؒ نے ہندوستان کے کسی مقام کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بزرگ گنگا کے کنارے چلے جا رہے تھے۔ راستہ

---

[1] حسن العزیز ص ۳۲۰ ج ۴

میں انہوں نے ایک جوگی کو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اپنے چیلوں کو توجہ دے رہا ہے۔ یہ بھی تماشے کے طور پر وہاں بیٹھ گئے۔ بس بیٹھنا تھا کہ ان کو یہ محسوس ہوا کہ ان کے قلب میں جو کچھ نور تھا وہ سب سلب ہوگیا اور بجائے نور کے ایک سیاہی تمام قلب کو محیط ہوگئی اور جی چاہنے لگا اور بے حد تقاضا اس کا ہوا کہ بس اب تو اسی کے قدموں میں رہ کر ساری عمر گزار دو۔ اب یہ بزرگ بڑے گھبرائے کہ یہ کیا بلا آئی اس خیال کو بہت دفع کرتے ہیں مگر دفع ہونے کے بجائے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے آخر کار ان کو تو اور کچھ سوجھا نہیں۔ بس یہ خیال کیا کہ جہاں تک ہو سکے نفس کے اس تقاضے کے خلاف کرو اور یہاں سے چل دو۔ چنانچہ اس جوگی کو برا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔ مگر اس کے بعد بھی ان کی یہی حالت رہی۔ اب یہ نہایت پریشان کہ اب کیا کروں۔ مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی اسی حالت میں ان کی آنکھ لگ گئی خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میری دستگیری فرمائیے میں تو برباد ہوگیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ایسی حرکت ہی کیوں کی یعنی اس کے پاس کیوں بیٹھے تھے انھوں نے کہا یا رسول اللہ مجھ سے حماقت ہوگئی توبہ کرتا ہوں آئندہ کبھی ایسے شخص سے نہ ملوں گا اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا دست مبارک کا پھیرنا تھا کہ وہ سیاہی ان کے قلب سے بالکل رفع ہوگئی اور پھر وہی نور عود کر آیا اور بالکل اطمینان وسکون پیدا ہوگیا۔

القول الجلیل ص۵

دجّال کا تصرّف

پھر ارشاد فرمایا کہ اہل باطل کی اسی قوت تصرفہ کی وجہ سے حدیث میں ارشاد ہے کہ جب تم سنو کہ دجال آیا ہے تو اس سے دور بھاگو۔ اور فرمایا کہ دجال بھی بڑا صاحب تصرف ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگ اس کے تصرفات کو دیکھ کر اس کے معتقد ہو جائیں گے [1]

اہل باطل کے تصرّفات زیادہ قوی کیوں ہوتے ہیں،

اہل حق کے تصرفات اتنے قوی نہیں ہوتے جتنے اہل باطل کے تصرفات قوی ہوتے ہیں اور اہل حق کے تصرفات اتنے قوی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تصرفات کے اثر کی قوت کا دار و مدار قوت خیالیہ پر ہے۔ اور خیال میں قوت ہوتی ہے یکسوئی سے اور حق کو اس خیال سے جو ذات حق کے علاوہ سے متعلق ہو زیادہ یکسوئی نہیں ہوتی کیونکہ اہل حق کے دل میں تو صرف ایک ہی ذات بسی ہوئی ہے ان کے دل میں وہی حق تعالےٰ کا خیال رہتا ہے۔ لہٰذا غیر حق کی طرف جو ان کی توجہ ہوتی ہے اس توجہ میں ان کو پوری یکسوئی نہیں ہوتی بلکہ غیر کیطرف اتنی توجہ کہ جس میں حق تعالےٰ کا خیال بالکل نہ آئے یا مضمحل ہو جائے وہ اس

---

[1] القول الجلیل صـ ٦

کو خلاف غیرت بھی سمجھتے ہیں ۔

تو چونکہ اہل حق کی وہ توجہ جو غیر حق کی طرف ہوتی ہے ضعیف درجہ کی ہوتی ہے اس وجہ سے اہل حق کو اس خیال میں پوری یکسوئی نہیں ہوتی لہٰذا اس خیال میں قوت بھی زیادہ نہیں ہوتی اور قوت خیالیہ ہی تصرف کے اثر کی قوت کا دارومدار تھا۔ اس وجہ سے اہل حق کے تصرفات میں اتنی قوت بھی نہیں ہوتی جتنی اہل باطل کے تصرفات میں ہوتی ہے [1]

مناظرہ سے بچنے کی تدبیریں اور جوابات

بریلیوں کا حضرت تھانوی سے

مناظرہ کا مطالبہ اور حضرت کا جواب

فرمایا بریلی والوں سے میں نے کہا میں مناظرہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں (یعنی مناظرہ کرنے کو تیار ہوں) لیکن کوئی منصف یا حکم بھی تو ہونا چاہیئے اور وہ حکم عالم ہوگا یا جاہل اگر جاہل ہوا تو محاکمہ (فیصلہ) کیسے کرے گا۔ اور اگر عالم ہے تو یا تو تمہارا ہم عقیدہ ہوگا یا میرا۔ پھر فیصلہ کیسے کریگا۔ پھر جب کوئی ایسا منصف نہیں تو نتیجہ کیا ہوگا اس کا کوئی شخص جواب نہ دے سکا [2]

---

[1] القول الجلیل ص۴۰ ج ۲ [2] کلمۃ الحق ص۱۰۰

ایک ہندو کے حضرت تھانویؒ سے

سوالات اور حضرت کا جواب

ایک ہندو یہاں آیا تھا اس نے مجھ سے کچھ سوالات کئے میں نے کہا اگر تم الزامی جواب چاہتے ہو تو ان کے لئے وید جاننے کی ضرورت ہے اور میں وید جانتا نہیں اور اگر تحقیقی جوابات چاہتے ہو تو تم پہلے مجھے یہ بتلادو کہ تم نے پڑھا کیا کیا ہے تم کیا کیا جانتے ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ آیا تم ان جوابات کو سمجھ بھی سکو گے یا نہیں اس نے دو چار کتابوں کے نام لئے میں نے کہا اتنا علم تحقیقی جوابات سمجھنے کے لئے کافی نہیں۔ الزامی جوابات کے لئے تو میرا علم کافی نہیں اور تحقیقی جوابات کے لئے تمہارا علم کافی نہیں پھر تو تو میں میں فضول ہے ؎ چلو بس ہو گیا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی[1]

ــــــــــ ایک ہندو مجھ سے ریل میں ملا اس نے مجھ سے مذہب کی بابت کچھ گفتگو کرنی چاہی میں نے کہا اگر محض گفتگو مقصود ہے تو وقت ضائع کرنا بالکل فضول ہے اور اگر آپ کو تحقیق منظور ہے تو تحقیق کا یہ طریقہ نہیں آپ میرے ساتھ تھانہ بھون چلیے میرے پاس رہیے۔ ایک جلسہ تحقیق کے لئے ہرگز کافی نہیں ہو سکتا بس اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

---

[1] حسن العزیز ص٥٨٦ ج ١

ایسے جوابات سے یہ ضرور ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انھیں کچھ آتا نہیں لیکن ہم نے کب اشتہار دیا ہے کہ ہمیں کچھ آتا ہے[1]

طالب حق کو سمجھانے کیلئے حضرت تھانویؒ

کا طریقہ اور معمول

اور اگر کوئی شخص تحقیق چاہے گا اور ہمارے پاس آکر رہے گا تو اس کو سمجھائیں گے اور پہلے تو بہت سے اس کے سوالوں کو بیہودہ ثابت کر دیں گے۔ پھر جب مختلف جلسوں میں اس کے مذاق (صلاحیت و مزاج) کا اندازہ ہو جائے گا اور اس کو بھی ایک گونہ مناسبت پیدا ہو جائے گی تب اس کے بقیہ سوالات کا جواب اس کی سمجھ اور مذاق کے موافق دیکر سمجھائیں گے آج کل معترض لوگوں کو عناد ہے۔ تحقیق تھوڑی منظور ہے[2]

باب (۶) اصول وآداب

فن مناظرہ میں اصول وآداب کی اہمیت

فن مناظرہ کے اصول عقلی ہیں جن کو مخالف بھی مانتا ہے ان کو چھوڑ کر جب بھی مناظرہ کیا جائے گا بے سود ہو گا۔

جب کسی سے کشتی ہو تو عقل کی بات یہ ہے کہ اس کو ان اصولوں

---

[1] حسن العزیز ص۵۸۶ ج ۱
[2] ایضاً ص۵۸۶ ج ۱

Scanned by CamScanner

کے موافق پکڑ کر گرا دیا جائے۔ جو فن کشتی میں مقرر ہیں اور تجربہ سے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اور اگر مخالف کے کہنے کے موافق چلا جائے مثلاً وہ کہے کہ ہم تو جب جانیں جب کہ اس طرح کشتی لڑ کر مجھے پچھاڑ دو کہ میں تو داؤں (استعمال) کروں اور تم بالکل ہاتھ پیر نہ ہلاؤ تو اس کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ وہ تم کو چاروں خانے چت گرا دے اور مجمع بھر میں ہنسائی ہو۔ بتائیے اگر کوئی ایسا کرے اور پچھڑ جائے تو کیا یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ فن کشتی کوئی چیز نہیں دیکھو کچھ بھی کام نہ آیا اور پچھڑ گئے؟ نہیں بلکہ فن سے کام ہی نہیں لیا گیا۔

اسی طرح ہمارے بھائی ہیں کہ قاعدے سے نہیں چلتے اور اسی کو بہادری سمجھتے ہیں کہ جیسے.... مخالف کہے ویسے ہی جواب دینا چاہیئے[1]

آج کل مناظرہ کرنیوالوں کی عام غلطی

آج کل لوگوں نے یہ وتیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ ذرا سا کسی نے شبہہ کیا یا کسی کتاب میں شبہہ دیکھ لیا اور بس اس کے حل کرنے کے درپے ہو گئے۔ یہ خرابی آداب مناظرہ نہ جاننے کی ہے کہ وہ کام اپنے ذمہ لے لیتے ہیں جس کی ذمہ داری عقلاً ہمارے ذمہ نہیں۔ پھر اس میں خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں اور اخیر میں ہوتا یہ ہے کہ کام بھی نہیں چلتا اور بات اپنے اوپر آجاتی ہے۔

---

[1] حسن العزیز ص۲۳۱ ج ۴

لوگ دیکھتے بھالتے ہیں نہیں تو ذرا کسی نے چھیڑ دیا اور تیار ہو گئے نہ تو یہ چال ٹھیک ہے۔ اور نہ ہی وہ جواب ٹھیک ہوتے ہیں جو مخالف کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں کہ ایک بات کا تو جواب دیتے ہیں اور دس اعتراض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں اور اس پر بڑا فخر کرتے ہیں[1]

اہل حق اور اہل باطل کی پہچان کا طریقہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حدیث میں تہتر فرقوں کا بیان فرمایا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک ان میں سے ناجی ہے اور باقی سب ناری ہیں اس پر صحابہ نے عرض کیا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ یہ کون سا فرقہ ہے جو ناجی ہے۔ یہ وہی سوال ہے جس پر گفتگو ہو رہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اچھا اور سہل جواب دے سکتا ہے آپ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي یعنی ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس مسلک پر ہونگے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں یعنی میرا اور میرے صحابہ کا اتباع کرینگے

یہ ایک ایسی پہچان ہے کہ اس سے بہت ہی سہولت سے اہل حق اور اہل باطل میں فرق کیا جا سکتا ہے اب یہ دیکھ لیا جائے کہ کس کے اقوال و افعال حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کے اقوال و افعال سے ملتے ہوئے ہیں کھینچ تان کر کسی بات کا ثبوت حاصل کر لینا اور بات ہے اس کو ملنا نہیں کہتے .... کھینچ تان کر مطابقت کر لینے کو مطابقت نہیں کہتے واقعی مطابقت اس کو کہتے ہیں جس میں کھینچ تان کی ضرورت نہ ہو سیدھے سادے معنوں کو دیکھا جائے سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا[2]

---

[1] حسن العزیز ص ۲۳۱ ج ۴
[2] وعظ الصالحین التبلیغ ص ۲۶ ج ۵

Scanned by CamScanner

مناظرہ میں طعن و تشنیع سب و شتم سے احتراز کرو

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ اپنے پروردگار کیطرف حکمت کے ساتھ بلائیے اور نرم نصیحت کے ساتھ۔ اور مناظرہ کیجئے ان لوگوں سے ایسے طریقہ پر جو اچھا ہو۔ نرم نصیحت کے یہ معنی ہیں کہ عنوان اچھا ہو اس میں دلآزاری نہ ہو۔ اسی طرح مناظرہ میں یہ چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا نمونہ دکھلا دیا اور مناظرہ تو بڑی چیز ہے کیونکہ اس میں دونوں طرف سے علمی بحث ہوتی ہے اور دونوں طرف عالم ہوتے ہیں اس میں جہل کی کیا گنجائش۔ یہ امور تو ایسے واجب الرعایت ہیں کہ اگر کسی جاہل سے بھی سابقہ پڑ جائے تو اس کے جواب میں بھی جہالت کی ممانعت ہے چنانچہ ارشاد ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔ یعنی جاہلوں کی جہالت کا جواب بھی جہالت سے نہیں دیتے

اسیطرح ایک اور واقعہ ہے کہ کفار کی گستاخیوں پر مسلمانوں کو بے حد غصہ آتا تھا۔ وہ نامعقول یہ کرتے تھے کہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کی بیویوں کے نام لے کر اظہار تعشق کرتے تھے اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی اور موجب غیظ ہوگا۔ خیال کیجئے مسلمانوں کو کس قدر ناگوار ہوتا ہوگا کہ جان لینے اور جان دینے کو تیار ہو جاتے ہوں گے۔ مگر

اتنی بڑی گستاخی اور ایسے سخت موجب غیظ پر حق تعالےٰ کی تعلیم سنیئے فرماتے ہیں لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ ـــــ اِلیٰ قَوْلِہٖ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِہٖ لے عمیق ایک

یعنی جان اور مال میں تمہاری آزمائشیں ہوں گی اور مشرکین اور اہل کتاب سے اذیت کی باتیں سنو گے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین نے یہی واقعہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کی بیویوں کا نام لے کر اظہار تعشق کرتے تھے۔ اتنی بڑی غیظ و غضب کی بات سننے کے بعد فرماتے ہیں اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا الخ اگر تم صبر کرو اور بچو (یعنی جہالت کی باتوں سے) تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے۔

اسیطرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ میرے بندوں سے فرمادیجئے کہ وہ نرم بات کہا کریں اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ شیطان درمیان میں جھڑپ کرانا چاہتا ہے جب جھڑپ اور لڑائی ہوگی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں طرف سے عداوت بڑھ جائے گی بیشک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے یہ حق تعالےٰ کی تعلیم تھی۔

اب حدیث سنئے کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو بجائے محمد کے مذمم کہتے تھے ـــــــــــ آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ ایسے سخت الفاظ سن کے مسلمانوں کا کیا حال ہوتا ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سخت بات کو مسلمانوں کے دلوں سے کیسا ہلکا کیا فرماتے ہیں اُنْظُرُوْا کَیْفَ صَرَفَ اللّٰہُ عَنِّیْ الخ یعنی دیکھو شتم قریش کو خدا مجھ سے کیسے ہٹا لیا وہ شتم اور لعنت کرتے ہیں مذمم کو اور میں تو محمد

ہوں (یعنی میرا نام محمد ہے مذمم نہیں وہ مذمم کو برا کہہ رہے ہیں نہ کہ محمد کو)

اگرچہ مذمم سے نیت ان کمبختوں کی حضور ہی کی گستاخی کی تھی مگر حضور ہمارے غیظ و غضب کو ہلکا کرنے کے لیئے فرماتے ہیں کہ میاں یوں دل کو سمجھا لیا کرو کہ ہمارے حضور مبارک کا نام یہ ہی نہیں

بہرحال وہ حق تعالےٰ کی تعلیم تھی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے جب جہل کے مقابلے میں بھی خدا اور رسول کو خشونت پسند نہیں تو مناظرہ میں کب پسند ہوگی۔

اسلام میں وہ تہذیب ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور قوم نہ تہذیب کا دعویٰ کر سکتی ہے اور نہ کوئی نمونہ پیش کر سکتی ہے تو یہ تہذیب مانع ہے اس سے کہ مناظرہ میں خشونت و دل آزاری کی باتیں ہوں[1]

پہلے مقصد متعیّن کر لینا اور پھر دلائل تلاش

کرنا غلط طریقہ ہے

اہل حق و اہل باطل کا امتیازی فرق

یہ چال بھی غلط ہے کہ پہلے اپنی رائے سے ایک مقصود قائم کر لیا پھر اس کی تائید کے لئے نصوص (اور دلائل) تلاش شروع کی۔ اس صورت میں جویندہ یابندہ نصوص موہمہ بھی مل جاتے ہیں۔ مگر اہل حق کا یہ طریقہ

---

[1] التبلیغ ص ۱۶۲/۵ ج ۲۰

نہیں ہے اور اس طرح حق ہاتھ نہیں آتا۔ اس صورت میں اتباع تو ہوتا ہے ہویٰ (خواہش) کا اور حیلہ کے لیئے نصوص کو بھی لے لیا جاتا ہے۔ اگر یہ طریقہ حق مل جانے کا ہوتا تو بہتّر فرقے کیوں ہوتے کیونکہ حق تو ایک ہی ہے سب اسی حق تک پہونچ جاتے یہ بہتر فرقے تو اسی طرح ہوئے کہ ہر فرقے نے اپنی طرف سے ایک دعویٰ گڑھ لیا پھر اس کے ثبوت کے لئے کچھ نصوص ڈھونڈ لیئے۔

نصوص کی خاصیت یہ ہے کہ جب کوئی حق کے اتباع کے لئے اپنی ضروریات اور مصالح سے قطع نظر کرتے ہوئے ان میں غور وفکر کرتا ہے تو اس کو ان سے صحیح راستہ مل جاتا ہے اور جب کوئی حکم اپنی رائے سے متعین کرکے نصوص سے اس کی تائید ڈھونڈتا ہے تو اس کو ظاہراً تائید بھی مل جاتی ہے۔ یہی فرق ہے اہل حق اور اہل باطل میں کہ اہل حق خالی الذہن ہو کر وحی کے حکم کو معلوم کرتے ہیں خواہ اس میں ان کی ذلت ہو یا ان کی مصلحتیں فوت ہوں یا کچھ بھی ہو جائے [1]

(برخلاف اہل باطل کے)

شروع ہی سے اصول وضوابط اختیار کرنا چاہیئے

ایک شخص نے کہا مجھ کو کچھ پوچھنا ہے فرمایا کہیئے۔ کہا جب علم محض

---

[1] وعظ الصالحون المبلغ ج ۸ ص ۱۸ و ۲۵

سے کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی (آگے کچھ کہنے کو تھے غالباً قدم مادہ کا سوال کرتے ان سے کسی آریہ نے کیا ہوگا) فرمایا اس کا ثبوت؟ وہ صاحب خاموش ہوگئے اور کچھ تامل کے بعد کہنے لگے اس کا ثبوت تو ہم نہیں دے سکتے فرمایا تو دعویٰ بھی نہ کیجئے وہ شخص متحیر ہو کر رہ گیا فرمایا یہ آریوں کا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں. لوگ یہیں سے ان کو نہیں پکڑتے۔ آگے ان کو قیل وقال کی گنجائش نکل آتی ہے اتنے مغلوب کیوں ہو کیوں نہ ہم ان سے دلیل کا مطالبہ کریں وہ ہم سے ہر بات کی دلیل مانگتے ہیں اپنی بھی تو کسی بات پر دلیل لائیں۔ انھوں نے کہا میرا شبہہ سن لیجئے۔ فرمایا آگے سننا تو اس مقدمہ کا مان لینا ہے۔ اس کو منوا لیجئے تب آگے چلیئے میں فضول وقت ضائع نہیں کرتا میں کیوں اپنے اوپر بلائیں مول لوں۔ میں شروع ہی سے کیوں نہ قاعدہ سے چلوں تاکہ زحمت نہ اٹھانی پڑے[1]

باطل مسلک کی تردید کے درپے فوراً

نہ ہونا چاہیئے

بعض باطل فرقے جو پیدا ہوئے ہیں وہ بہت جلد مٹ جاتے اگر ان کے رد کرنے کے لئے بڑے بڑے علماء نہ کھڑے ہو جاتے۔ علماء کے رد نے ان کو اور بھی وقعت دیدی۔ لوگ خوامخواہ ان کے دعووں کو اہم سمجھنے

---

[1] حسن العزیز ص۲۲۵ ج۴

Scanned by CamScanner

لگے ...... (لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگ ان کے رد کرنے کی طرف متوجہ ہیں تو ضرور اہم ہوں گے۔ علماء کے متوجہ ہونے نے ان کو اور بھی رونق دیدی ورنہ بہت جلد ختم ہو جاتے۔

اسی طرح آریوں کو جو قوت ہوئی ہے اکثر کی رائے یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء ان کے جوابات دینے کیطرف متوجہ ہوئے ان کے مقابلہ کے لیئے تو عوام ہی مناسب تھے کیونکہ عالم کو تو یہ بھی لحاظ رہتا ہے کہ کوئی ایسی ویسی کچی بات منہ سے نہ نکلے [1]

اصول میں مخالفت ہوتے ہوئے

فروع کا جواب نہ دینا چاہیئے

ریل میں ایک پادری نے مجھ سے دریافت کیا کہ تصویر کی ممانعت کیوں ہے میں نے کہا یہ مسئلہ اصول کا ہے یا فروع کا ہے؟ کہا فروع کا میں نے کہا اگر یہ فرعی مسئلہ حل بھی ہوگیا تو نفع کیا ہوگا۔ کیونکہ اصول میں اختلاف باقی ہوتے ہوئے تم تو پھر عیسائی رہو گے کہنے لگا یہ صحیح ہے مگر ایسی گفتگو سے ذرا تفریح ہوتی ہے میں نے کہا ہمارا مذہب اس سے منزہ (پاک صاف) ہے کہ ہم اس کو آلۂ تفریح بنائیں تلعب بالمذہب (مذہب کو کھلونا بنانا) تم ہی کو مبارک ہو [2]

---

[1] حسن العزیز ص ۴۵۹ ج ۱ [2] افاضات الیومیہ ص ۳۴۰ ج ۶ ع ۲

نہایت اہم اصول، مخالفین کے کن سوالوں کا جواب دینا چاہیئے

مخالفین کا جو سوال ان کے منصب سے باہر ہو اس کا جواب نہ دینا چاہیئے بلکہ صاف کہہ دینا چاہیئے کہ تم کو اس سوال کا حق نہیں ہے اس میں تم اپنے منصب سے آگے بڑھ رہے ہو۔ مگر آجکل بعض لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مخالف کی ہر بات کا جواب دیں خواہ اس کا سوال بے جا یا بجا۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ اس طرح تو کبھی گفتگو کا سلسلہ ختم نہ ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب اسی حد تک دینا چاہیئے جہاں تک ان کو سوال کرنے کا حق ہے اور جو سوال ان کے منصب سے باہر ہو اس کا جواب نہ دینا چاہیئے بلکہ صاف کہہ دینا چاہیئے کہ تم کو اس سوال کا کوئی حق نہیں مخالفین کا دماغ ہر بات کی حقیقت سمجھنے کے قابل نہیں امور دقیقہ کو ان کے سامنے نہیں بیان کرنا چاہیئے۔

(مثلاً) باب توحید میں مخالفین کو استقبال قبلہ (قبلہ کی طرف رخ کرنے) پر بھی اعتراض ہے کہ مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں۔ پس اگر مخالفین ہم سے یہ کہیں کہ تم کعبہ کی طرف منہ کرتے ہو اس سے اس کی عبادت لازم آتی ہے اس کا جواب دینا ہمارے ذمہ ضروری ہے چنانچہ ہم نے جوابات دیئے ہیں کہ ہماری نماز نہ کعبہ کے وجود پر موقوف ہے نہ اس کی نیت ضروری ہے نہ اس کی دیواروں کا سامنے ہونا ضروری ہے بلکہ اس کی چھت پر بھی نماز ہو سکتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ہم اس کی عبادت نہیں کرتے۔ اس کے بعد اگر وہ یہ کہیں کہ اچھا پھر تم اس کی طرف منہ کیوں کرتے ہو؟ تو اس سوال کا جواب اُن کو نہ دیا جائے گا

Scanned by CamScanner

بلکہ ہم صاف کہدیں گے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ہم کعبہ کی عبادت نہیں کرتے تو اس سوال کا آپ کو کوئی حق نہیں یہ ہمارے گھر کی بات ہے تم گھر والے بن جاؤ اس وقت تم کو گھر کی باتیں بتادیں گے ہمارے جی کی خوشی ہم نے جس طرف چاہا نماز میں منہ کرلیا تم اس میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو ؟ (اسی طرح) ایک اعتراض تقبیل حجر (حجر اسود کو بوسہ دینے) پر بھی ہے کہ مسلمان اس کو بوسہ دیتے ہیں تو گویا نعوذباللہ اس کی عبادت کرتے ہیں ۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ تقبیل حجر عظمت سے نہیں بلکہ محبت سے ہے جیسے بیوی بچوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں اگر بوسہ دینا عبادت وعظمت کی دلیل ہے تو لازم آئیگا کہ ہر شخص اپنی بیوی کی عبادت کرتا ہے اور اس کا لغو ہونا بدیہی ہے معلوم ہوا کہ تقبیل (بوسہ دینا) عبادت وتعظیم کو مستلزم نہیں بلکہ کبھی محبت سے بھی ہوا کرتی ہے ۔

رہا یہ سوال کہ پھر تم حجر اسود سے محبت کیوں کرتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہمارے گھر کی بات ہے اسکے متعلق مخالف کو سوال کرنے کا حق نہیں ۔ دیکھئے اگر کوئی شخص عدالت میں یہ دعویٰ دائر کرے کہ فلاں مکان میری ملک ہے تو اس سے اس پر ثبوت طلب کیا جائے گا لیکن جب وہ ثبوت پیش کردے تو خصم (فریق) کو اس سوال کا حق نہیں کہ اچھا مکان تو تمہارا ہی ہے مگر یہ بتلادو کہ اس گھر میں کیا کیا سامان ہے ۔

یا کوئی شخص بیوی کا بوسہ لے تو اس سے یہ سوال تو ہوسکتا ہے کہ تم اس کا بوسہ کیوں لیتے ہو لیکن جب وہ یہ بتلادے کہ میں محبت کی وجہ سے بوسہ لیتا ہوں تو پھر اس سوال کا کسی کو حق نہیں کہ تم کو بیوی سے محبت کیوں ہے اور تم دن رات اس کے کتنے بوسے لیتے ہو ۔ (خلاصہ یہ ہے کہ) اگر وہ یہ کہیں کہ تم حجر (پتھر) کی تقبیل کرکے اس کی عبادت کرتے ہو اس کا جواب ضرور دیا جائیگا کہ ہم عبادت نہیں کرتے بلکہ محبت سے بوسہ دیتے ہیں۔ جیسے تم اپنی بیوی کا بوسہ دیا کرتے ہو اگر وہ یہ کہیں کہ اچھا یہ بتلادو کہ تم کو حجر اسود سے محبت کیوں ہے ؟ اس کا جواب نہ دیا جائیگا بلکہ صاف

Scanned by CamScanner

کہہ دیں گے کہ جس طرح ہم آپ سے اس سوال کا حق نہیں کہ آپ کو اپنی بیوی سے محبت کیوں ہے اسی طرح آپ کو اس سوال کا بھی حق نہیں ۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس کی وجہ نہیں بتلا سکتے کہ ہم کو حجر سے محبت کیوں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب اسی حد تک دینا چاہیئے جہاں تک ان کو سوال کا حق ہے

اس پر شاید سامعین کہیں کہ اچھا مخالفین کو نہ بتلاؤ ہم کو بتلا دو ہم تو گھر کے آدمی ہیں سو بے شک آپ کو اس کی وجہ بتلائی جائے گی ۔ میں نے تو اس وقت خاص خاص قواعد بتلائے ہیں کہ مخالفین سے کس طرح گفتگو کرنا چاہیئے اور ان کے کس سوال کا جواب دینا چاہیئے اور کس کا نہیں ۔ اور کونسی بات ان سے کہنی چاہیئے اور کونسی نہیں [1]

حق کی پہچان اور حق تک پہونچنے کا راستہ

حق وہ ہے جو نص کا بلا کلفت (بغیر تکلّف کے مدلول ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپس میں کسی بات میں جھگڑتے ہیں ایک فریق کہتا ہے کہ قرآن سے یہ ثابت ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ یہ ثابت ہے ۔

تو اس میں قولِ فیصل یہ ہے کہ اپنے اغراض اور خیالات کو الگ کر کے اور ان سے بالکل قطع نظر کر کے دیکھو کہ نص قرآنی کا مدلول بلا کلفت کیا ہے جس میں ایچ پیچ اور تکلف اور تاویل کی بالکل ضرورت نہ ہو بس وہی حق ہے ۔ وہ اپنے خیال کے موافق ہو یا مخالف مطلب یہ کہ حق تو چھپتا ہی نہیں اس کو قصداً اغراض اور تاویلوں سے چھپایا جاتا ہے ۔ [2]

---

[1] محاسن الاسلام ص [2] السوق لاہل الشوق ۔

بدیہیات میں مناظرہ نہیں ہوتا

بدیہیات کو ذوق کے سوا کسی طریقہ سے ثابت کرنا ممکن نہیں اسی لئے بدیہیات میں کوئی کسی کو منوا نہیں سکتا چنانچہ لوگوں نے ایسے ایسے بدیہیات کا انکار کیا ہے۔ خدا تعالےٰ کے علم تک کا انکار کیا ہے۔ ساری دنیا کے عقلاء سر مار کر بیٹھ کر رہ گئے مگر منکرین سے منوا نہ سکے۔

اور جیسے بدیہی کو غیر بدیہی سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے اسی طرح اس کا عکس بھی ہوتا ہے [1]

نہایت کارآمد اصول مرے

دلائل عقلیہ کی ضرورت کن احکام میں پڑتی ہے

فرمایا اہل علم کے کام کی ایک بات بیان کرتا ہوں جو دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ مناظرہ کرنے میں نہایت کارآمد ہے۔ وہ یہ کہ احکام کی ۲ دو قسمیں ہیں ایک تو اصول دوسرے فروع۔ اور مذہب کا اصل مدار درحقیقت اصول ہی پر ہے۔ پس اصول کو دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ مدلل ہونا چاہیئے۔ اور فروع کے لئے بھی اگرچہ نفس الامر میں دلائل عقلیہ اور اسرار ہیں لیکن ہم کو ان اسرار پر مطلع نہیں کیا

---

[1] حسن العزیز ص ۱۱۴ ج ۳

گیا اور اصول سے مراد توحید، رسالت، رسول۔ حقیقت کلام اللہ میں تو ان سب پر دلائل عقلیہ پیش کرنا ضروری ہے باقی فروع کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ خدا تعالےٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اس حکم کو نازل فرمایا اور آپ نے اس کی تبلیغ فرمائی۔ اور اگر کسی فرع کی عقلی دلیل منکشف ہو جائے تو یہ تبرّع ہے۔

مثلاً آج کل ہندوستان پر جارج پنجم کی حکومت ہے۔ اور ان کے قوانین پورے ملک میں جاری ہیں تو یہاں دو باتیں ہیں ایک یہ کہ وہ بادشاہ ہیں یا نہیں اور پھر بادشاہ ہیں تو یہ ان کے قانون میں ہیں یا نہیں سو اس کے لئے تو دلائل عقلیہ کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ کہ اُن قوانین کی کیا مصلحت ہے تو اس قوانین پر عمل کرنا اس پر موقوف نہیں ان قوانین پر عمل کرنے کے لئے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہم جارج پنجم کے بادشاہ ہونے پر عقلی دلائل تلاش کریں اور آثار و غلبہ سے اس کو سمجھیں۔ لیکن اگر ہم اس کو بادشاہ مان لیں تو پھر سب قوانین پر عمل کرنا ضروری ہوگا اس میں اس کا انتظار نہ کیا جائے گا کہ ہر قانون کی علٰحدہ علٰحدہ علّت ہم کو معلوم ہو۔ بلکہ اگر کسی مقدمہ میں جج فیصلہ کر دے اور مدعا علیہ صرف قانون کی علت معلوم نہ ہونے کیوجہ سے عمل کرنے میں کوتاہی کرے تو وہ مجرم اور سزا کا مستحق سمجھا جائے گا اسی طرح۔ قوانین الٰہیہ میں بھی سمجھنا چاہیئے [1]

---

[1] دعوات عبدیت ملفوظات ص ۱۹ ج ۱۴

علماء عالم قانون ہیں واضع قانون نہیں

ہم واضع احکام نہیں بلکہ عالم قانون ہیں جس میں علت کا جاننا لازم نہیں جیسے وکلاء کہ عالم قانون ہوتے ہیں۔ ان کو قانون کی علت معلوم ہونا ضروری نہیں۔ نہ وہ اس کے مدعی ہوتے ہیں تو اگر ان سے کوئی قانون کی علت دریافت کرنے لگے تو وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم عالم قانون ہیں واضع قانون نہیں اور قوانین کی علت واضع قانون سے دریافت کیجئے۔

اسی طرح علماء واضع قانون نہیں بلکہ محض عالمان قانون ہیں۔ واضع قانون حق تعالیٰ ہیں تو علماء سے قوانین کی علت دریافت کرنا بھی سخت غلطی ہے[۱]

دین محمدی کے اسرار و مصالح

احکام دو قسم کے ہیں ایک تو کلیات اور ایک جزئیات۔ جو احکام کلی ہیں ان کی مصلحتیں تو عقل سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ کھلے کھلے ہوتے ہیں مثلاً یہ حکم ہے کہ ہمیشہ سچ بولو جھوٹ کبھی نہ بولو اس کی مصلحتیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کیونکہ وہ عقل کے بالکل قریب ہیں لیکن جو احکام جزئی ہیں ان کی مصلحتیں عقل اور قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتیں مثلاً ظہر کی چار رکعتیں کیوں ہیں یا مثلاً پہلے رکوع اور پھر سجدہ

---

[۱] دعوات عبدیت ص۲۰ ج ۱۴

کیوں ہے۔ ایسے احکام میں رائے اور قیاس کو دخل نہیں۔ محض عقل ان کے مصالح کے ادراک کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ بلکہ اس کے لئے قوت قدسیہ کی ضرورت ہے۔ البتہ احکام کلی کے مصالح چونکہ بہت واضح ہوتے ہیں اور عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے ادراک میں رائے اور قیاس کو دخل ہے ۱؎

(لیکن) یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ جو مصلحت ہم نے ضروری سمجھی ہو وہ حق تعالےٰ کے نزدیک بھی ضروری ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی مصلحت اور ضرورت ایسی ہو کہ اس تک ہمارا علم نہ پہونچا ہو۔ خدا تعالےٰ بشر نہیں ہے جس کو اپنے اوپر قیاس کرکے یوں کہا جا سکے کہ جو حالت ہمارے (مزاج) و مذاق کے موافق اچھی ہے وہ حق تعالےٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ اور ان ہی مصلحتوں پر دین الٰہی کی بنیاد ہے ۲؎

احکام الٰہیہ ہماری عقل کے تابع نہیں

حاصل یہ کہ احکام الٰہیہ ہماری عقل کے تابع نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ یہ مسلم ہے کہ بعض احکام شرعیہ کا حسن و قبح مدرک بالعقل بھی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں عقل ہی مشروعیت کا مدار ہے۔ اور جب ایسے امور کی مشروعیت کیلئے (جن کا حسن مدرک بالعقل ہے) عقل کافی نہیں تو امور دینیہ کی مشروعیت کے لئے اس کو کیسے کافی کہا جا سکتا ہے۔ اور کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا حسن عقل سے معلوم ہو اس کو مشروع کہا جائے اور جس کا حسن عقل سے معلوم نہ ہو اس کو مشروع نہ کہا جائے ۳؎

۱؎ حسن العزیز ص۷۶۶ ج۱ ملفوظ ۶۷۲ ۲؎ وعظ الصالحون رسالہ المبلغ ص۱۱ ج۸ ۳؎ ایضاً ص۱۲ ج۸

Scanned by CamScanner

دین محمدی عقل کے موافق ہے اس قاعدہ کی تشریح

دین کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ جملہ امور دینیہ کا مدار عقل پر ہے سخت غلطی ہے البتہ دین میں دو چیزیں ایسی ہیں کہ وہ عقل سے ثابت ہیں ۔ توحید ورسالت ۔ یہ دونوں بیشک اس معنی کر عقلی ہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے محض عقلی دلیل پیش کی جائے گی باقی ان کے سوا کوئی اصول دینیہ میں سے کوئی اصل ۔ اور فرع میں سے کوئی فرع معنی مذکور کے مطابق عقلی نہیں ۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ دین عقل کے موافق ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز دلیل عقلی کے خلاف نہیں ۔ باقی یہ نہیں کہ اگر شرعی دلیل نہ ہو تو عقل اس حکم کو ثابت کر لیتی ۔

حسن وقبح کے ادراک کے لئے جو عقل کو کارآمد کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقل ان کے ادراک کے لئے کافی ہے ۔ یہ شان صرف وحی کی ہے عقل کافی نہیں ہو سکتی صرف موید ہو سکتی ہے چنانچہ بعض اوقات عقل ان چیزوں میں بھی تردد کرتی ہے جن کو مدرک بالعقل کہا جاتا ہے ۔ مثلاً سچ بولنے کو اچھا اور جھوٹ بولنے کو برا کہا جاتا ہے اور یہ مدرک بالعقل ہیں ۔ لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں کہ عقل ان میں حکم کرنے کے لئے حیران رہ جاتی ہے ۔ مثلاً ایک شخص نے دیکھا کہ ایک بے گناہ پر کوئی ظلم کر رہا ہے اگر یہ سچی بات کہتا ہے تو وہ پھنستا ہے

اور اگر وہ جھوٹ بولتا ہے تو چھوٹ جاتا ہے ــــــ دونوں طرف کی دلیل موجود ہے اب عقل حیران ہوتی ہے کہ دونوں دلیلوں میں کس کو ترجیح دے۔ اور وحی کا اعتقاد رکھنے والے کے پاس مرجح موجود ہے یعنی وحی۔

غرض عقل کسی طرح بھی حسن وقبح کے ادراک تام کے لئے کافی نہیں۔ عقل اس کے لئے کافی ہوتی تو بہت سے وہ لوگ جو (دنیاوی اعتبار سے مثلاً) عقل معاش میں بہت بڑھے ہوئے ہیں وہ ایمان سے کیوں محروم ہوتے۔ اہل عقل ہونا ان کا مسلم ہے پھر ایمان کے حسن کا کیوں نہیں ادراک کیا۔ مگر جب ان کو وحی کی رہبری سے سمجھایا جاتا ہے تو ان کو بھی اس کی ضرورت کو ماننا پڑتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکم کرنا عقل کا حق نہیں یہ حق صرف خداوند تعالےٰ کا ہے [1]

ضروریات دین کے لئے نصّ صریح کی حاجت نہیں

کسی نے پوچھا کہ حدوث مادہ و روح پر کوئی صریح دلیل بھی ہے؟ فرمایا بعض احکام ضروریات دین میں سے ہوتے ہیں ایسے

---

[1] وعظ الصالحون رسالہ المبلغ صـ ۱۳ ج ۸

احکام کے لئے نص صریح کی حاجت نہیں جیسے پانچ وقت کی نماز یا ان کی رکعات کی تعداد یا عالم کا حدوث ضروریات دین سے ایسے امور مراد ہیں جن کے عامۂ مسلمین بلاخلاف قائل رہے ہیں پس اگر حدوث مادہ یا حدوث ارواح کی دلیل کی کوئی نص صریح بھی نہ ہو تب بھی اتنا کافی تھا کہ بلانکیر کے عامۂ مسلمین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے برابر اس کے قائل رہے ہیں [1]

باب (۷)

جواب دینے کے طریقے

جواب کی دو قسمیں ـــ تحقیقی الزامی

جواب دو قسم کے ہوتے ہیں الزامی وتحقیقی، الزامی جواب کیلئے دوسرے مذہب سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے مخالف

---

[1] دعوات عبدیت ص ۱۳۲ جلد ۱۹

کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے جس کی یہاں فرصت نہیں اور تحقیقی جواب لوگ یہاں قبول نہیں کرتے [1]

الزامی و تحقیقی جواب کی تشریح اور اس کے شرائط

تحقیقی جواب کے یہ معنیٰ ہیں کہ کسی نے جو کچھ پوچھا جواب میں اس کی حقیقت کو واضح کر دیا۔ ———

اور الزامی جواب کے یہ معنیٰ ہیں کہ جو اعتراض ہم پر کسی نے کیا ہم نے ویسا ہی اعتراض اس کے مذہب پر کر دیا۔ کہ جو جواب تم ہمیں دو گے بعینہ وہی جواب ہماری طرف سے تمہارے اعتراض کا ہوگا

اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لوازم اور شرائط کو سمجھنا چاہیئے تحقیقی جواب کے لئے اپنے مذہب پر پورا عبور ہونے کی ضرورت ہے دوسرے کے مذہب پر پوری نظر ہونے کی ضرورت نہیں

اور الزامی جواب کے لئے اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے کے مذہب پر بھی پوری نظر ضروری ہے [2]

الزامی جواب کی ناپسندیدگی اور ممانعت

(سوال) مرزا نے حضرت مسیح حضرت حسین حضرت علیؓ

---

[1] حسن العزیز ص ۴۰۶ ج ۲ [2] التبلیغ الدعوۃ الی اللہ ص ۴۲ ج ۲۰

Scanned by CamScanner

کے اوپر بہت طعن و تشنیع کی ہے اور اخیر میں یہ لکھا ہے کہ میں نے اپنے عیسیٰ جو نبی تھے اور اپنے حضرت حسین و علی کو نہیں کہا بلکہ عیسائیوں کے مسیح کو جس نے خدائی دعویٰ کیا ہے اور شیعوں کے حسن و علی کو کہا ہے چونکہ عیسائیوں نے ہمارے حضرت کو اور شیعوں نے ہمارے خلفاء ثلثہ کو بہت برا کہا ہے اس وجہ سے ہم نے بھی ان کے مسلمہ و موضوعہ اور ان کے خیال کے مطابق ان صفات سے متصف ... (عیسیٰ اور حسن و علی) کو کہا ہے۔ آیا ایسا پیرایہ اور حیلہ کر کے حضرت حسین و مسیح اور علی علیہم السلام پر کسی قدر حملہ جائز ہے یا قطعی ناجائز ہے اگر کوئی الزام ان پر دیا جائے تو اس کی کیا صورت ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں علماء سلف و خلف نے حضرت مسیح پر ایسا حملہ کیا ہے اور علماء اہل سنت نے شیعہ کے مقابلہ میں ایسا برتاؤ کیا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے۔

(الجواب) گو مناظرین کی ایسی عادت ہے مگر قرآن مجید کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر قبیح ہے۔ وہ آیت یہ ہے

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرا قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَاءُ

اس کا شان نزول مفسرین میں مشہور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقات کی ترغیب فرمائی تھی جس پر یہود نے یہ بات کہی تھی۔ یہ یقینی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ نہ تھا بلکہ محض الزام کے طور پر کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا حاجت مند ہونا لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی تقبیح (مذمت) فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا پیرایہ اختیار کرنا قبیح ہے اگر کسی نے ایسا کیا ہو

اس کی تاویل کریں گے کہ مقصود الزام ہے۔ اور یہ کہیں گے کہ انھوں نے آیت میں غور نہیں کیا ہوگا۔

اور خاص کر جب یہ (الزامی طور سے جواب دینا یا کچھ) کہنا مخالفین کی زبان سے اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہنے کا سبب بن جائے تو اس صورت میں دوسری وجہ بھی ممانعت کی پائی جائے گی قَالَ اللہُ تعالےٰ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ اور سلف کے کلام میں ایسے عنوانات نظر سے نہیں گزرے ؎۱

تحقیقی جواب کی اہمیت

مناظرہ میں کیا چیز زیادہ موثر ہوتی ہے

مناظرہ میں مسئلہ کی تحقیق زیادہ موثر ہوتی ہے سب وشتم سے کچھ نفع نہیں ہوتا ؎۳

عدالتوں میں بھی جو قابل وکیل ہیں وہ مختصر سی گر کی بات کہتے ہیں لیکن عوام ان کی کچھ قدر نہیں کرتے اور جو بہت بک بک کرتا ہو اس کو کہتے ہیں کہ بڑا اچھا وکیل ہے ؎۲

؎۱ بوادر النوادر نادرہ ۵۳ ص ۲۲۴ ج ۲

؎۲ حسن العزیز ص ۱۵۴

ایک عیسائی کے کچھ اعتراضات ایک پرچہ میں چھپے جن کا جواب قرآن سے مانگا تھا میں نے جواب تحریر کر کے اس پرچہ کے دفتر میں بھیج دیا کہ آپ کا یہ کہنا کہ "قرآن سے جواب دو" ایک دعویٰ کو متضمن ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان ان مسائل کے قرآن سے ثابت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں سو یہ دعویٰ ہی غلط ہے۔ مسلمان کب کہتے ہیں کہ یہ سب مسائل قرآن ہی سے ثابت ہیں۔ ان کے یہاں مسئلہ کے ثبوت کے لئے چار دلائل مقرر ہیں قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ قیاس۔ لہذا انھیں حق ہے کہ ان میں سے کسی ایک دلیل سے ثابت کر دیں۔ ہاں خود ان دلائل کی صحت کا ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ سائل کو ہمارے دعویٰ کو محفوظ رکھ کر سوال کرنا چاہیئے تھا۔ لہذا یہ سوال ہی فضول ہے

باوجودیکہ یہ جواب نہایت تحقیقی تھا کیونکہ موٹی بات ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے اثبات میں دو گواہ پیش کر دے تو مدعیٰ علیہ مجیب کو یہ تو حق ہے کہ ان گواہوں پر جرح قدح کرے لیکن گواہوں کی تعیین کا ہرگز حق نہیں کہ میں اس وقت تک دعویٰ کو تسلیم نہ کروں گا جب تک فلاں فلاں گواہ آکر شہادت نہ دیں مثلاً جج صاحب اور کلکٹر صاحب

لیکن اس جواب کے معقول ہونے کے باوجود اس کی قدر نہیں کی گئی۔ بلکہ اور لوگوں نے گڑھ گڑھ کر قرآن سے ثابت کر کے جو جواب دیئے وہ تو صاحب پرچہ نے چھاپے مگر میرا جواب نہیں چھاپا گیا۔ [1]

---

[1] حسن العزیز ص۵۸۸ ج ۱

قانونی جواب ہمیشہ بے مزہ ہوتا ہے۔ دیکھئے قانون کی دفعات روز مرّہ کچہریوں میں پڑھی جاتی ہیں لیکن ان پر کسی کو وجد نہیں آتا۔ اور اگر مومن کی غزل کا ایک شعر بھی کوئی پڑھ دیتا ہے تو لوگ رقص کرنے لگتے ہیں۔ مگر دیکھ لیجئے کہ اصل چیز کون سی ہے شاعری ہے یا قانون قانون تو وہ چیز ہے جس کی بدولت امن قائم ہے اور سلطنت کا نظام اسی پر مبنی ہے۔ اگر امن نہ ہوتا تو شاعر صاحب کو وہ شعر بھی نہ سوجھتا جس پر وجد ہو رہا ہے۔

ایک مولوی صاحب سے کسی نے کہا کہ ڈاڑھی رکھنے کا حکم قرآن مجید میں دکھلاؤ انھوں نے یہ آیت پڑھی لَا تَاخُذْ بِلِحْيَتِىْ اور کہا کہ دیکھو اگر ہارون علیہ السّلام کے ڈاڑھی نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السّلام پکڑتے کہاں سے اس سے ثابت ہوا کہ ان کے ڈاڑھی تھی میں نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا اگر وہ یہ کہتا کہ اس سے تو ڈاڑھی کا وجود ثابت ہوا وجود کا کون انکار کرتا ہے وجوب تو ثابت نہ ہوا وجوب ثابت کرو تو آپ کے پاس کیا جواب تھا؟ مولوی صاحب بولے اجی اس میں اتنی سمجھ کہاں تھی جو وہ یہ سوال کرتا پھر فرمایا کہ ہمارے منہ سے کبھی ایسی لچر بات نہیں نکل سکتی۔ ہمیں تو خدا جانے کچی بات کہنے سے شرم آتی ہے۔ یہاں تو وہ بات کہی جاتی ہے جو اپنے نزدیک قیامت تک نہ ٹلے اور میں کہتا ہوں کہ کس کس بات کو قرآن سے ثابت کروگے آخر میں کہیں تو عاجز ہوگے مغرب کی تین رکعتیں کون سی آیت سے ثابت کروگے اخیر میں پھر وہی۔ تحقیقی جواب دینا پڑے گا پھر شروع ہی سے تحقیقی جواب کیوں نہیں دے دیتے حسن العزیز ص ۵۸۹ س ۵۱ ج ۱

آج کل الزامی جواب کی اہمیت، ضرورت
افادیت طریقۂ کار

بہت جگہ دیکھا گیا ہے کہ الزامی جواب جس قدر مفید ہوتا ہے معاند کے لئے تحقیقی جواب اتنا شفا بخش نہیں ہوتا یہ بھی ایک درجہ ہے تبلیغ کا اس سے خصم بالکل ہی چپ ہو جاتا ہے۔ انہیں کی کتابوں سے ان کا جواب دیا جائے تو بڑا کار گر ہو۔ خصم ہی کے مسلمات سے جواب دینا بڑا فائدہ مند ہوتا ہے اس سے وہ ساکت اور دنگ ہو جاتا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے مجمع کے اوپر اثر زیادہ پڑتا ہے عوام اس کو نہیں دیکھتے کہ کس کی تقریر کیسی ہے۔ ان کے نزدیک تو جس نے ساکت کر دیا بس وہی جیتا وہ تو مسکت (اور لاجواب) ہونے کے وصف ہی کو دیکھتے ہیں دلیل کی حقیقت کو نہیں دیکھتے۔

تو بر بنائے مقدمۃ الواجب واجب (واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے) سنسکرت سیکھنا بھی واجب ہو سکتا ہے۔ اور اگر واجب نہیں تو آپ کے نزدیک استحباب ہی کے درجہ میں سہی مگر مفید تو ہے تبلیغ میں بے حد مفید ہے اس سے معاندین اسلام کے مذہب پر کما حقہ اطلاع ہوگی اور انہیں کی کتابوں سے ان کا جواب دیا جائے گا تو بڑا کار گر ہوگا۔[1]

الزامی جواب دینے کے مواقع

(۱) اس وقت مناظرہ میں مخالفین کے مقابلہ میں الزامی جواب

---

[1] آداب التبلیغ ص۱۲۰

زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ واعظین اپنے مذہب والوں کو تحقیق سے تنبہ کیا کریں۔ اور مناظرین الزامی جواب سے مخالفین کو ساکت کیا کریں۔ کیونکہ تحقیقی جواب مسلمانوں کو زیادہ نافع ہوں گے اور الزامی جواب غیر مذہب والوں کو زیادہ مفید ہوں گے اور ان لوگوں کو بھی مفید ہوں گے جو مائل ہیں غیر مذہب کی طرف (یعنی جو تذبذب اور شک میں پڑے ہیں) [1]

(۲) اہل بدعت کو الزامی جواب دینا چاہیئے کیونکہ وہ۔ حقیقت کو سمجھنا نہیں چاہتے یا سمجھ نہیں سکتے۔ ہاں اگر کوئی فہیم (سمجھ دار ہو اور سمجھنا چاہتا بھی ہو) تو اس کو حقیقت بھی تبلادی جائے (یعنی تحقیقی جواب دے دیا جائے [2]

---

[1] التبلیغ ص۴۳ ج۲۰ [2] ایضاً ص۴۹ ج۱۷ [3] الافاضات ص۵۰ ج۸

نفس جواب دینا کوئی بات نہیں

جواب کی حقیقت دیکھنا چاہیئے

نفس جواب دینا کوئی بات نہیں دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ جواب ٹھیک بھی ہے یا نہیں یوں تو شیطان نے بھی اللہ میاں کو جواب دے دیا تھا جب اس سے پوچھا گیا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے کہا خَلَقْتَہٗ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ حق تعالیٰ نے اس پر نکل جانے کا حکم دیا۔ اور اس کا جواب نہیں دیا اگر کسی کے بک بک کئے جانے سے جواب ہو جائے تو شیطان ایسا حاضر جواب تھا کہ حق تعالےٰ کو نعوذ باللہ جواب نہ آیا۔

دیکھنا یہ چاہیئے کہ جواب صحیح بھی ہے یا نہیں بات لچر ہے تو نفس (محض) جواب کا لفظ آجانے سے ہم کیسے ڈر جائیں۔ جب کوئی دوسرے سے بات کرتا ہے تو الٹی سیدھی کچھ نہ کچھ ہانکے ہی جاتا ہے۔ کسی کے بند کئے زبان تھوڑی بند ہو سکتی ہے ــــ ایک ہی بات کو چند بار کہنے سے بات کی کچھ وقعت نہیں ہو جاتی لہ

ردوقدح اور جرح کے ذریعہ جواب دینا

بعض اوقات سائل کے سوال کرنے پر بجائے جواب دینے کے اس سے سوال کیا جاتا ہے اور یہ بات بظاہر خلاف (عقل) معلوم

لہ حسن العزیز ص ۳۱ ج ۴

ہوتی ہے۔ کیونکہ سوال کا تو جواب دینا چاہیئے نہ کہ اس کے سوال پر الٹا سوال کر لیا جائے۔

ایسے موقع پر سوال کرنے سے غرض جرح قدح نہیں ہوتی بلکہ جواب دینا ہی منظور ہوتا ہے[۲]

گول مول جواب دینا

مولانا محمد قاسم صاحب سے کسی نے میلاد کے بارے میں دریافت کیا فرمایا بھائی نہ اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یہ اس قدر معقول جواب ہے کہ عوام نہیں سمجھ سکتے ہر فریق اس جواب کو اپنی تائید میں پیش کر سکتا ہے حضرت مولانا ایسے سوالات کے بہت نرم جواب دیتے تھے[۳]

جواب سخت ہونا چاہیئے یا نرم

پہلے میں بھی نرم جواب کو پسند کرتا تھا لیکن اب تجربہ کے بعد مولانا گنگوہی کا طرز نافع ثابت ہوا۔ نرم جواب میں یہ مصلحت سمجھی جاتی تھی کہ مخاطب کو وحشت نہ ہوا۔ اور وہ ہم لوگوں میں آجائے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ وہ ہم میں نہیں آتے وہ تو اپنے اسی خیال کی بناء پر آتے ہیں تو یہ دراصل ہم میں آنا نہ ہوا۔ ہاں ہم ہی کچھ ادھر چلے گئے وہ ہم میں نہیں آئے

[۲] حسن العزیز ص ۲۶۵ ج ۱ [۳] ایضاً ص ۲ ج ۳

Scanned by CamScanner

حاکمانہ جواب

کہیں حاکمانہ جواب مناسب ہوتا ہے اور کہیں حکیمانہ سب کو ایک لکڑی سے نہیں ہانکا جاسکتا۔ عوام اسی سے بگڑ گئے علماء کے حکیمانہ جواب ہی سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا ـــــ ہر جگہ جواب کا مختلف طریقہ ہے کہیں نرمی کا جواب اچھا ہے کہیں سختی کا اور کہیں جوتے کا جواب بہتر ہوتا ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالٰی نے جہاں چار کتابیں نازل فرمائی ہیں وہاں ایک پانچویں کتاب حدید بھی اتاری ہے چنانچہ ارسال رسل اور انزال کتب کے بعد ارشاد ہے وانزلنا الحدید فیہ باس شدید (حدید کے معنی لوہا)

فرمایا کہ اس میں حدید سے مراد نعل دار جوتا ہے کہ اس سے دماغ روشن ہوجاتا ہے حضرت عمر کا مقولہ ہے۔ یعظ السنان اکثر مما یعظ القرآن یعنی بعض لوگوں کو قرآن کی نصیحت نہیں روکتی (اثر انداز نہیں ہوتی) جتنا کہ ایک نیزہ کی نوک روک دیتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے دلائل بیان کرو اگر ان دلائل کو نہ مانے تو صاف جواب دو کہ یہ خدا کا حکم ہے احکام الٰہی کے سامنے کوئی چیز حجت نہیں [1]

---

[1] آداب التبلیغ صـ ۹۷ و ۹۱

جوابِ جاہلاں

ایک گاؤں کا قصہ ہے کہ ایک شخص وہاں مولوی بنکر رہتا تھا اور جو واقعی اہل علم وہاں جاتے تھے ان کا رنگ نہ جمنے دیتا تھا، ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب وہاں پہونچ گئے وہ بہت ذہین تھے، اس جاہل نے عوام کے سامنے ان کا بھی امتحان لیا کہ مولوی صاحب! یہ بتلاؤ کہ ایمان نقطہ دار ہے یا بے نقطہ، مولوی صاحب پہلے تو چپ ہوئے کہ یہ کیا خرافات کیا ہے، اسکے بعد سوچ کر کہنے لگے کہ بے نقطہ ہے اس نے کہا ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر کیسے؟ مولوی صاحب نے ذہانت سے ایک بات پیدا کرکے کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو ایمان کا کلمہ ہے اس میں نقطہ نہیں ہے کہنے لگا یہ غلط ہے یہ وجہ نہیں ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ جب کوئی پوچھتا ہے کہ تم مسلمان ہو تو دوسرا کہتا ہے الحمد للہ اور اس میں نقطہ نہیں ہے، انہوں نے کہا واہ غلط کہتے ہو خالی الحمد للہ کون کہتا ہے بلکہ شکر الحمد للہ کہتے ہیں اور اس میں تین نقطے ہیں اسی لئے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بس وہ مارا گیا اور گاؤں والوں نے اسے نکال کر انہیں رکھ لیا تو صاحب جاہلوں سے جیتنا بڑا ہی مشکل ہے۔

ایک صاحب کتا بغل میں دبائے بیٹھے تھے کسی نے کہا کہ اسمیں کیا مصلحت ہے کہنے لگے تاکہ موت کا فرشتہ نہ آئے (کیونکہ حدیث میں ہے کہ جہاں کتا یا تصویر ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے) انہوں نے کہا یہ تو کوئی بات نہیں آخر دنیا میں کتے بھی تو مرتے ہیں جو فرشتہ ان کی جان نکالتا ہے وہی تمہاری بھی نکالے گا (اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں کتا یا تصویر کی جگہ فرشتے نہ آنے کا جو ذکر ہے اس سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں واللہ اعلم)[2]

---

[1] حقوق و فرائض ص۲۹۴ [2] مفاسدِ گناہ ص۴۔

بدعتی سے مناظرہ کرنے کا طریقہ

اہل بدعت سے جب گفتگو کرو تو فقہ سے کرو اس میں ان کو گنجائش نہیں ملتی قرآن مجید متن ہے جس کے مختلف محامل ہو سکتے ہیں اسی طرح حدیث بھی ذو وجوہ ہو سکتی ہے اس لئے اہل بدعت جب تمسک کریں گے قرآن و حدیث سے کریں گے مثلاً قیام میلاد کے بارے میں. وتُعَزِّرُوہ وتُوَقِّرُوہ سے کریں گے [1]

اہل بدعت کو الزامی جواب دینا چاہیئے کیونکہ وہ حقیقت کو سمجھنا نہین چاہتے یا سمجھ نہیں سکتے ہاں اگر کوئی فہیم (سمجھ دار) ہو اور سمجھنا چاہتا ہو بھی تو اس کو حقیقت بھی تبلا دی جائے (یعنی تحقیقی جواب دے دیا جائے) [2]

اہل بدعت کے واسطے چند الزامی

جوابات

لوگ خوامخواہ علماء سے جھگڑتے ہیں کہ فاتحہ اور مولود میں کیا خرابی ہے یہ تو اچھا کام ہے پھر اس سے کیوں منع کرتے ہیں اس کا حقیقی جواب تو یہ ہے کہ جن قیود کے ساتھ تم ان افعال میں ثواب کے قائل ہو شریعت نے ان قیود پر ثواب نہیں بیان کیا مگر عوام اس

---

[1] کلمۃ الحق ص۶ [2] التبلیغ ص۴۹ ج ۱۷

کو کیا سمجھیں۔

اس لئے میں ان لوگوں سے الزامی گفتگو کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ گاؤں میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں نے کہا آپ پہلے یہ بتلایئے کہ بمبئی میں حج کیوں نہیں ہوتا بس خاموش ہو گئے۔

اسی طرح ایک گاؤں والے نے مجھ سے پوچھا کہ فاتحہ دینا کیسا ہے میں نے کہا میاں کبھی تم نے لکڑیاں بھی اللہ کے واسطے دی ہیں کہا جی ہاں۔ میں نے کہا تم نے کبھی کپڑا بھی دیا ہے؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا پھر اس پر بھی فاتحہ پڑھی تھی؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر کھانے ہی پر فاتحہ کیوں پڑھتے ہو۔ تو وہ گاؤں والا کہنے لگا جی ہاں بس یہ تو فضول سی بات ہے میں نے کہا ہاں خود سمجھ لو اگر ثواب ہی پہونچانا ہے تو فاتحہ الگ پڑھ دو کھانا الگ دے دو دونوں میں جوڑ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ گاؤں والے سمجھنے کے بعد حجتیں نہیں نکالتے کیونکہ ان کی طبیعت میں سلامتی ہوتی ہے [1]

اسی طرح ایک صاحب نے فاتحہ کے متعلق مجھ سے سوال کیا تو میں نے کہا آپ پوری دیگ پر فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے پلاؤ کی دیگ میں صرف ایک طباق میں کھانا رکھ کر اسی پر کیوں پڑھتے ہو؟

کیا اللہ تعالےٰ کو نمونہ دکھلاتے ہو؟

---

[1] التبلیغ ص ۴۹ ج ۱۷

اور ایک شخص کو میں نے یہ جواب دیا کہ بتلاؤ پکانے کا ثواب پہونچتا ہے یا کھلانے کا۔ کہا ثواب تو کھلانے کا ہوتا ہے۔ میں نے کہا پھر کھلانے کے بعد فاتحہ پڑھ دینا اور ثواب پہنچا دینا۔

یہ چند نمونے میں نے بتلا دیئے ہیں کہ اہل بدعت کو الزامی جواب اس طرح دینا چاہیئے کیونکہ وہ حقیقت کو سمجھنا نہیں چاہتے ہاں اگر کوئی فہیم ہو تو اس کو حقیقت بتلا دی جائے [1]

باب (۸)

اصول مناظرہ

دلائل میں تعارض کی صورت میں ترجیح کا قاعدہ

تعارض کا ایک قاعدہ ہے اس کو یاد رکھو کہ کسی مسئلہ قطعی عقلی اور کسی مسئلہ قطعی نقلی کا تعارض ہو ہی نہیں سکتا اور ظنی عقلی و ظنی نقلی میں تعارض ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں ظنی نقلی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اور اگر قطعی عقلی اور ظنی نقلی میں تعارض ہو تو ظنی نقلی میں تاویل کی جائے گی مگر ایک مناظر مولوی نے اس کے خلاف

---

[1] التبلیغ ص ۴۹ ج ۱۷

کیا تھا ایک مناظرہ میں انھوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو بازو ہونے کی یہ تاویل کی کہ بازو سے قوت مراد ہے یہ جواب نہ دیا کہ اس میں حرج کیا ہے اگرچہ چھ سو پر ہوں حدیث کی تاویل کردی

ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں

اہل مناظرہ ایک دلیل پر جب اشکال ہو اس کو چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف منتقل ہونے کو ناجائز کہتے ہیں اور ہونا بھی چاہیے ورنہ قیامت تک کوئی کلام ختم ہی نہ ہو۔ دلیلیں تو غیر متناہی ہو سکتی ہیں خواہ صحیح ہوں یا غلط۔ ________

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے محاجہ کا قصہ نمرود کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور ہے جس میں آپ نے دلیل اول کو چھوڑ کر دوسری دلیل کیطرف انتقال فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے اس قاعدہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ عدم جواز اس وقت ہے جب اس نقل کا داعی (سبب) مستدل کا عجز ہو۔ اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ جواب بہت صاف تھا کہ تو احیاء واماتت کے معنیٰ نہیں سمجھا۔ اور جب داعی (سبب) مخاطب کی غباوت ہو کہ وہ دلیل کی حقیقت نہیں سمجھا اور نہ سمجھنے

۱؎ کلمۃ الحق ص ۱۰۱

کی امید۔ اس وقت یہ نقل جائز اور شفقت کا عین مقتضیٰ ہے اور یہاں ایسا ہی ہوا۔ [1]

ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کیطرف انتقال کیوں اور کب ممنوع ہے

مناظر کو ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال۔ (منتقل) ہونا جائز نہیں ورنہ مناظرہ کبھی ختم نہ ہوگا یہ انتقال اپنی مصلحت سے ممنوع ہے اور اگر مخاطب کی مصلحت سے ہو تو جائز ہے جب کہ بلادت فہم کی وجہ سے اول دلیل کو سمجھ نہ سکے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا واقعہ ہے۔ [2]

منع کی حقیقت

ایک بزرگ تھے۔ عابد زاہد کثیر المجاہدہ ایک دفعہ ان کو یہ خطاب ہوا کہ ”کچھ بھی کرو کافر ہو کر ہی مروگے۔ اس وقت ان کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی کیسے پیچ تاب کھائے ہوں گے ایسے وقت میں شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض انھوں نے اپنے شیخ سے کہا انھوں نے جواب دیا کہ یہ دشنام محبت اور امتحان ہے کچھ غم نہ کرو۔

اگر کوئی شخص کہے کہ یہ تو جھوٹ ہے کیونکہ واقع کے خلاف ہے

---

[1] بوادر النوادر ص ۱۱۴ جلد ۱ غریبہ ص ۸۷ [2] انفاس عیسیٰ ص ۳۳۲ جلد ۱

Scanned by CamScanner

پھر محبوب کی طرف سے جھوٹ کیسا؟ خدا تعالیٰ تو صادق القول ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کے ایک معنیٰ کافر بالطاغوت کے بھی ہیں کما فی قولہ تعالیٰ فَمَنْ یَکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ پس یہ تو بشارت تھی کہ تو کافر بالطاغوت ہو کر مرے گا مگر ذرا چھیڑنے کے لئے صرف لفظ کافر کو ذکر کیا اور بالطاغوت کو چھوڑ دیا اس قول کے صدق کی یہ تاویل ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ اعتراض نہیں پڑتا اس قسم کی تاویل کو علم مناظرہ کی اصطلاح میں "منع" کہتے ہیں۔ جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کلام میں ایسا احتمال نکال دینا جس پر اعتراض واقع نہ ہو[1]

مانع کو صرف منع کر دینا کافی ہے

فرمایا لَایَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ الآیۃ

اس سے علم مناظرہ کا ایک مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ مانع کو صرف منع کر دینا کافی ہے۔ کیونکہ جو دوسرے کے ساتھ مسخرہ پن کرتا ہے وہ گویا اس کا مدعی ہے کہ یہ مسخور منہ ذلیل ہے تو عسٰی ان یکونوا میں احتمال خیریت سے اس مستدل کی دلیل پر منع ہے[2]

(اصول) مدّعی کے ذمّہ بیّنہ ہے

دیکھئے فن مناظرہ کا اصول ہے کہ بینہ مدعی پر ہوتا ہے۔ جب تک

---

[1] التبلیغ ص ۲۰۲ ج ۱۷ تشکر العطار [2] الکلام الحسن ص ۳۵

Scanned by CamScanner

اپنے مدعا کو ثابت نہ کرے اس کی تردید کی حاجت نہیں وہ خود باطل ہے ابھی وجود ہی میں نہیں آیا معدوم (باطل) کس کو کیا جائے۔ (مثلاً) یہ بات کہ کوئی چیز عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی ایک دعویٰ ہے دلیل سے اس کا اثبات (ثبوت پیش کرنا) قائل کے ذمہ ہے۔ جب تک دلیل قطعی سے ثابت نہ کر دیا جائے گا دعویٰ کا وجود ہی محقق نہیں ہوگا اس کا موجود کرنا اس کے ذمہ ہے اور کہا جاتا ہے ہم سے کہ اس کا ابطال کرو جس کا وجود نہیں اس کا ابطال لایعنیٰ فعل ہے وہ خود ابھی بطلان سے ثبوت (اور معدوم سے وجود) میں.... نہیں آیا پھر ہم کیوں ابطال کریں وہ تو خود ہی۔ باطل ہے [1]

مناظرانہ داؤں

ایک انگریزی داں مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے مدارس کے طلباء میں کچھ قابلیت بھی ہوتی ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ اس قابلیت کی پہلے تعیین فرما دیجئے تاکہ میں یہ معلوم کر سکوں کہ اس قسم کی قابلیت کا سوال ہے۔

یہ خود مدعی بننے کے بجائے مجھ کو مدعی بناتا ہے جو مناظرہ کا ایک بڑا داؤں ہے پرانے آدمی تھے کچھ عربی بھی جانتے تھے سمجھ گئے پھر کچھ نہیں بولے ایک صاحب نے عرض کیا کہ پھر حضرت

---

[1] حسن العزیز ص ۲۳۱ ج ۴

بھی کچھ نہیں بولے فرمایا پہلا ہی ان پر ادھار تھا جب وہ ادا کرتے تب دیکھتا کہ کھوٹا ہے یا کھرا۔ [1]

یوں تو ہر بات کا جواب ہو سکتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ جواب مقبول بھی ہے یا مردود اس لئے کہ شیطان نے بھی اللہ میاں کو جواب دیا تھا اس پر اس کا جو حشر ہوا کسی سے مخفی نہیں [2]

مناظرانہ داؤں، سوال کو معترض پر لوٹا دینا

ایک آریہ نے تقدیر کے مسئلہ میں ایک اعتراض کیا کہ اس میں تو جبر لازم آتا ہے۔ اور یہ مسئلہ عقلی ہے اہل اسلام کے ذمہ ان اعتراضوں کا جواب لازم ہے میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ مسئلہ اگر اہل اسلام کا نقلی ہوتا تو واقعی اس کے ذمہ دار صرف اہل اسلام ہوتے۔ مگر یہ مسئلہ عقلی ہے۔ اور مقدمات عقلیہ سے تم کو بھی اس کا قائل ہونا پڑے گا سو اگر تمہاری سمجھ میں آجائے تو تم ہمیں بتلا دو اور ہماری سمجھ میں آجائے تو ہم تم کو بتلا دیں۔ اور اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو دونوں صبر کر کے بیٹھ جاؤ۔ اور اس کے حل کی فکر میں رہو تم کو اہل اسلام سے سوال کرنے کا کیا حق ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی آریہ یہ اعتراض کرے کہ جب ایک آنکھ کافی تھی تو پھر دو کیوں ہیں۔ ہم کہیں گے کہ تم ہی بتلاؤ کیونکہ یہ تم کو بھی تسلیم ہے کہ دونوں آنکھیں خدا کی بنائی ہوئی

---

[1] الافاضات الیومیہ ص۱۴۶ ج ۱ [2] ایضاً ص۱۲۳ ج ۱

ہیں تو اس کا جواب صرف ہمارے ذمہ کس قاعدہ سے ہے[1]

غیر واقعی فرضی باتیں مان لینے کا قاعدہ

غالباً آپ سب لوگ جانتے ہوں گے کہ بعض باتیں فرضی اور غیر واقعی کسی ایسی مصلحت سے مان لی جاتی ہیں۔ جس کا حاصل ہونا ان فرضیات کے بغیر ممکن نہیں۔

دیکھئے صرف و نحو میں کس قدر فرضیات ہیں کہتے ہیں قَالَ اصل میں قَوَلَ تھا اور زَیدٌ قَامَ میں ھُوَ پوشیدہ ہے کوئی پوچھے کہ کون سے نحو کے امام نے اس ھُو کو دیکھا تھا اور انہوں نے کس طرح دیکھا اور ہم سے اسے کیا پردہ ہے۔ کہ پوشیدہ ہوگیا اور قال کون سے بادشاہ کے زمانہ میں قَوَلَ تھا علیٰ ہذا نحو صرف کے سیکڑوں قواعد ایسے ہیں بلکہ زیادہ حصہ ان علوم کا ایسی ہی باتوں پر مشتمل ہے۔ مگر ان کو مصلحت سے مان لیا جاتا ہے۔ تاکہ غیر عربی کو عربی زبان آجائے چنانچہ واقعی آجاتی ہے۔

ایسے ہی علم طب کو دیکھئے کہ اطباء کہتے ہیں کہ غذا معدہ میں جاتی ہے اور وہاں سے رگوں میں۔ اور تمام اعضاء کے فعل بیان کرتے ہیں کوئی جذب کرتا ہے۔ کوئی دفع کرتا ہے کوئی تقسیم کرتا ہے گو میں ان باتوں کو غلط نہ کہوں گا مگر کسی کی دیکھی ہوئی بھی نہیں ہیں۔

علم تشریح سے اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان میں اتنے اعضاء

---

[1] افاضات الیومیہ ص۳۳۹ ج ۶ ع ۲

ہیں اتنی رنگین ہیں باقی یہ کہ اس کا عمل کیا ہے یہ باتیں ظن وتخمین سے کسی حالت میں نہیں بڑھ سکتیں۔ لیکن ان کو بڑے بڑے عقل مند مانتے ہیں بلکہ اطبار کی رسائی فہم کی داد دیتے ہیں اور کوئی فقیہہ کبھی یہ فتویٰ نہیں لگاتا کہ یہ جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا ناجائز ہے بلکہ مسجد میں بیٹھ بیٹھ کر یہ جھوٹ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سے بہت سے کارآمد اور ضروری علوم حاصل ہوتے ہیں اور معالج کی بہت سی مصلحتیں اس پر مرتب ہوتی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کسی ضرورت سے ایک فرضی بات بھی تسلیم کرلی جائے تو مضائقہ نہیں [1]

ایک قاعدہ

امکان نام ہے عدم الوجوب و عدم الامتناع کا جب وجوب اور امتناع نہ ہوگا تو امکان ثابت ہو جائے گا اور چونکہ امکان اصل ہے لہٰذا جو مدعی امتناع یا مدعی وجوب ہو اس کے ذمہ دلیل ہے ہم اصل سے متمسک ہیں ہمارے ذمہ دلیل نہیں اور نظیر کا پیش کرنا مدعی کے ذمہ نہیں [2]

---

[1] التبلیغ ص ۶۴ ج ۱۴ دوار العیوب [2] دعوات عبدیت ص ۱۸۶ ج ۱۷.

خاص مستلزم ہوتا ہے عام کو اس قاعدہ کی تشریح

یہ جو قاعدہ ہے کہ خاص کے ضمن میں عام ہوا کرتا ہے یا بعنوان دیگر خاص مستلزم ہوتا ہے عام کو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاص اس عام کو مستلزم ہوتا ہے جو اس خاص کا جزو ہے۔ باقی اس عام کے جو دوسرے افراد ہیں جو اس خاص کے قسیم ہیں ان کو یہ خاص مستلزم نہیں ہوتا (مثال کے طور پر درس) تدریس اس تعلیم کو مستلزم ہے جو تدریس کے ضمن میں متحقق ہے۔ تعلیم کے دوسرے افراد مثلاً وعظ کو مستلزم نہیں۔[۱]

باب (۹) علمی مناظرے

ایک لکچرار آریہ کا اشکال اور حضرت تھانوی کا جواب سمجھانے کا انداز

ایک لکچرار آریہ نے مجھ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں میں نے کہا خوشی سے اجازت ہے اگر مجھ کو جواب

---

[۱] حقوق و فرائض ص ۱۱۲

سنیئے یہ تو ظاہر ہے آپ کو معلوم ہے کہ مختلف مذاہب سب تو حق ہو نہیں سکتے ضرور ایک ہی حق ہوگا اور سب باطل یہ تو آپ کو معلوم ہے؟ کہا جی ہاں۔ میں نے کہا ایک مقدمہ تو یہ ہوا اب یہ بتائیے کہ صاحب حق کی مثال مطیع سلطنت کی سی ہے اور باطل والے کی مثال باغی سلطنت کی سی ہے آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہا ہاں میں نے کہا ایک مقدمہ یہ ہوا۔

میں نے کہا فرض کیجئے ایک شخص ہے جو بہت بڑا فلاسفر ہے ڈاکٹری پاس کئے ہوئے ہے۔ اور بہت سی ڈگریاں حاصل کر چکا ہے لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود وہ باغی ہے اس پر گورنمنٹ اس کو پھانسی کا حکم دیتی ہے تو کیا عقلاء اس کو ظلم کہیں گے یا عقلاء اس کی تصویب کریں گے۔ اس وقت اگر کوئی کہے ہائے بڑا ظلم ہے محض بغاوت کے الزام میں پھانسی کا حکم دے دیا۔ حالانکہ یہ شخص ایسا تھا ویسا تھا تو کیا عقلاء کے نزدیک یہ اعتراض صحیح ہوگا۔ کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا جواب اسی طرح آپ یہاں سمجھئے۔ دیکھئے یہ سب مقدمات آپ کے ذہن میں تھے اس کے باوجود سوال کرنا اس کا منشاء صرف یہ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی زبان سے آپ کو کافر کہوں۔ کہنے لگے کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی زبان سے لفظ کافر سننے میں بھی کانوں کو لذت حاصل ہوتی ہے۔

میں نے کہا یہ آپ کی خوبی کی بات ہے مگر میری اسلامی تہذیب اجازت نہیں دیتی کہ میں بلا ضرورت آپ کو کافر کہوں، اور ضرورت کی قید اس لئے لگا دی کہ بضرورت تو کافر کہتے ہی ہیں۔

Scanned by CamScanner

معلوم ہوا عرض کر دوں گا اور اگر نہ معلوم ہوا تو عذر کر دوں گا اس نے سوال کیا کہ دو شخص ہیں اور دونوں نے ایک نیک کام کیا دونوں کی نیت ایک اور کام ایک دونوں کے کاموں کا نفع ایک غرض سب حالات ایک فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مسلم ہے اور ایک غیر مسلم تو کیا دونوں کو اجر وثواب برابر ملے گا یا نہیں میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے مقصود یہ ہے کہ یقیناً یہی جواب ملے گا کہ مسلم کو اجر وثواب ملے گا اور غیر مسلم کو نہ ملے گا اس جواب پر اس کو گفتگو کی گنجائش ہوگی کہ یہ بجز تعصب کے اور کیا ہے کہ کام ایک ہی سا اور صرف غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وہ ثواب سے محروم ہے حالانکہ جب دلائل سے ثابت ہے کہ اسلام اعمال کی قبولیت کی شرط ہے اس کا جواب ظاہر تھا کہ اذا فات الشرط فات المشروط مگر میں نے اتنی بھی گنجائش نہ دی اور دوسرے طرز پر جواب دیا۔ (میں نے سوچا کہ) ایسا کوئی جواب ہونا چاہیئے جو اس کی سمجھ سے بھی باہر نہ ہو اور مختصر ہو جس سے سلسلہ جلدی ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور فوراً جواب کی ایک صورت ذہن میں آگئی۔

میں نے کہا تعجب ہے کہ آپ جیسے شائستہ اور مہذب اور دانشمند ہو کر ایسی بات پوچھتے ہیں جس کا جواب آپ کو معلوم ہے کہنے لگا کہ یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کا جواب مجھ کو معلوم ہے میں نے کہا کہ اس جواب کے مقدمات آپ کے ذہن میں ہیں اور مقدمات کے لئے نتیجہ لازم ہے اس لئے وہ جواب بھی آپ کے ذہن میں ہے اس نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کے مقدمات میرے ذہن میں ہیں میں نے کہا ابھی بتلائے دیتا ہوں۔

اس قسم کے جوابوں سے عوام سمجھ بھی جاتے ہیں اور نفع بھی زیادہ ہوتا ہے اور وقت بھی زیادہ صرف نہیں ہوتا مگر علماء نے یہ طرز چھوڑ دیا ہے جواب ہمیشہ اصولی ہونا چاہیئے [1]

اللہ تعالیٰ کے جب زبان نہیں تو وہ تکلّم کس طرح کرتا ہے

ایک بار ایک نوجوان ہندو دوسرا اس کا بوڑھا گرو دونوں میرے پاس آئے۔ نوجوان نے ایک سوال کرنے کی اجازت چاہی میں نے اجازت دے دی۔ کہنے لگا کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ کلام اللہ خدا کا کلام ہے اور کلام ہوتا ہے زبان سے جو ایک عضو ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی عقیدہ ہے کہ خدا تعالےٰ جوارح اور اعضاء سے منزّہ ہے تو خدا تعالےٰ نے کلام کیسے فرمایا؟

میں نے کہا ہم جو زبان سے کلام کرتے ہیں تو زبان کے واسطہ سے متکلم ہوئے اور اصل متکلم زبان ہوئی تو اب اگر تکلم کے لئے زبان کی ضرورت ہے تو زبان جو متکلم ہے اس کے لئے ایک زبان اور ہونا چاہیئے مگر اس کے زبان نہیں اور وہ پھر بھی متکلم ہے اس سے ثابت ہوا کہ زبان کو تکلم کے لئے زبان کی ضرورت نہیں۔ تو تعجب ہے کہ زبان جو محض ایک گوشت کا لوتھڑا ہے وہ تو اس پر قادر ہو کہ وہ بغیر زبان کے متکلم ہو سکے اور خدا کو اتنی قدرت بھی نہ ہو کہ وہ بغیر زبان کے تکلم کر سکیں

---

[1] افاضات الیومیہ ص ۲۳۹ ج ۲ وص ۲۱۴ ج ۱

ایسے ہی آنکھ جو دیکھ رہی ہے اس آنکھ کے کون سی آنکھ ہے تو جب یہ آنکھ بلا آنکھ کے دیکھنے پر قادر ہے تو کیا خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ بدون حاسۂ بصر کے دیکھ سکے۔

ایسے ہی کان کو لے لیجئے ان کان کے کون سے کان ہیں جس سے یہ سنتے ہیں جب یہ کان اس پر قادر ہیں کہ بلا کان کے سن سکتے ہیں تو کیا خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ وہ بغیر حاسۂ کان کے سن سکیں لہ۔

عیسائیوں کے اعتراض کا جواب کہ روح اللہ افضل الالقاب ہے

ـــ انھوں نے سوال کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا لقب روح اللہ ہے اور یہ ایسا لقب ہے جس کے برابر کوئی لقب نہیں ہو سکتا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

فرمایا خاص حالت کے لحاظ سے روح اللہ کہا گیا ہے یعنی نفخ روح باپ کے واسطہ کے بغیر اس کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اور اس کا افضل الالقاب ہونا مسلم نہیں صرف موقع کی خصوصیت کا لقب ہے

سائل نے کہا یہ حالت یعنی نفخ روح بلا واسطہ یہ افضل الحالات ہے

فرمایا آدم علیہ السلام بلا ماں باپ کے پیدا ہوئے یہ حالت اس سے بھی زیادہ

لہ انفاس عیسیٰ ص ۶۱۶ ج ۲ افاضات الیومیہ ص ۳۴۱ ج ۶ و ص ۴۱۴ ج ۷ لہ

بیبیاں تھیں حقیقت یہ ہے کہ زہد کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ تعلقات سے یکسو ہو کر زاہد بنے دوسرے یہ کہ تعلقات میں مشغول ہو کر زاہد رہے بیوی بچے گھر بار سب کچھ ہو مگر دل کسی چیز میں نہ لگا ہو بلکہ دل میں خدا ہی کے ساتھ لگاؤ ہو دوسرے سے محض حقوق ادا کرنے کے واسطے تعلق ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کا زہد پہلی قسم کا تھا اور دوسرے انبیاء میں زہد دوسری قسم کا تھا [1]

عیسائیوں کے حق پر ہونیکی دلیل اور اسکا جواب

ایک عیسائی کھڑا ہوا اپنے مذہب کی حقانیت بیان کر رہا تھا اپنے حق پر ہونے کی ایک دلیل اس نے یہ بھی دی کہ دنیا میں عیسائی سب سے زیادہ ہیں انجیل کے ترجمے بہت زبانوں میں ہو چکے ہیں اس سے معلوم ہو کہ یہ مذہب اللہ کے نزدیک زیادہ مقبول ہے اسی وجہ سے ان کی اس قدر کثرت اور ترقی ہے۔

ان رئیس صاحب نے اپنی سواری روک کر پادری سے کہا کہ یہ تو کوئی دلیل حقانیت کی نہیں آؤ ہم تم کو اسٹیشن پر چل کر دکھاتے ہیں کہ ریل گاڑی میں فسٹ کا درجہ ایک ہی ہوتا ہے اور تھرڈ کلاس بہت ہیں پس ہم مسلمان فسٹ کلاس ہیں اور تم عیسائی لوگ تھرڈ کلاس ہو یہ جواب سن کر پادری مبہوت ہو گیا اور اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا دیکھئے ایک ان پڑھ آدمی نے پادری کو خاموش کر دیا میں کہتا ہوں طبیعت سلیم ہونا چاہیئے پھر ہر اعتراض کا جواب دے لینا آسان ہے [2]

---

[1] التبلیغ ص۱۲۵ ج ۲۱ [2] ایضاً ص۱۲۳ ج ۲۱

افضل ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ افضل ہوئے سائل نے کہا عیسائی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت ان پر اس طرح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی گناہ نہیں ہوا فرمایا وہ گناہ نہیں فنسی آدم و نسیت ذریتہ کی دلیل سے۔ کیونکہ نسیان سے گناہ نہیں ہوتا اور لفظ جواب دے دینا تو کوئی بات نہیں جب کوئی دوسرے سے بات کرتا ہے الٹی سیدھی کچھ نہ کچھ ہانکے ہی جاتا ہے [1]

عیسائیوں کا اعتراض کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سب سے بڑے زاہد تھے اس کا جواب

ایک مناظرہ میں عیسائی نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ زاہد تھے عیسیٰ علیہ السلام نے نکاح بھی نہیں کیا ساری عمر زہد کی حالت میں گذار دی اور مسلمانوں کے پیغمبر نے ایک چھوڑ نو شادیاں کیں ـــــ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ زاہد ہونا نکاح نہ کرنے پر موقوف نہیں ورنہ لازم آئے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا جتنے پیغمبر ہیں وہ سب زاہد نہ تھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم حضرت داؤد علیہم السلام سب کے سب صاحب اہل وعیال تھے بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تو تین سو اور بعض روایات کے مطابق ہزار

---

[1] حسن العزیز ص ۳۱۱ ج ۴

ایک عیسائی کا حضرت کو انجیل کی ترغیب

دینے پر حضرتؒ کا جواب

فرمایا ایک عیسائی نے مجھ سے کہا تم انجیل دیکھا کرو اس میں بہت علوم ہیں میں نے کہا کہ تم قرآن دیکھا کرو اس میں اس سے زیادہ علوم ہیں اس نے کہا ہم قرآن دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا اس سے معلوم ہوا کہ تمہاری شریعت تمہارے نزدیک بھی کافی نہیں ہے اسی لئے دوسری کتابوں میں علوم ڈھونڈتے ہو۔ اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے اس لئے ہمیں انجیل وغیرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے یہ جواب سن کر وہ بالکل خاموش ہو گیا[1]

نبی اور ساحر کے فرق پر ایک کوتوال کو جواب

ایک کوتوال نے سوال کیا کہ نبی اور ساحر میں فرق کیسے معلوم ہو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ آپ کوتوال ہیں۔ جس وقت کسی معاملہ کی تحقیق کے لئے کسی علاقہ میں جاتے ہیں تو ان لوگوں کے اطمینان کا کیا ذریعہ ہے کہ آپ کوتوال ہیں ممکن ہے کہ بہروپیہ اور ڈاکو ہو اور اس وردی میں چلا آیا ہو اب کوتوال صاحب چپ ہیں کچھ نہیں بولتے واقعی ان متکبروں کا جواب اسی طرح دینا چاہیئے۔ ایسے جاہلوں کے سامنے دب کر جواب دینا مفید نہیں ہو سکتا[2]

---

[1] حسن العزیز صـ ۱۸۸ ج ۲ [2] الافاضات الیومیہ صـ ۳۲۲ ج ۲

Scanned by CamScanner

معراج جسمانی یا روحانی کے بارے میں اشکال

اور اس کا جواب

ایک صاحب نے معراج کے متعلق مجھ سے سوال کیا کہ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ میں نے کہا میری رائے کیا چیز میں تو ایک مذہبی شخص ہوں مجھ سے میرا مذہب اور میرا عقیدہ پوچھیئے۔ یہ بھی آج کل کے نو تعلیم یافتہ لوگوں میں مرض ہے کہ ہر چیز میں رائے کو دخل دیتے ہیں کہنے لگے اچھا کیا عقیدہ ہے آپ کا۔ میں نے کہا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کو معراج ہوئی کہا جسم کے ساتھ؟ میں نے کہا جی ہاں جسم کے ساتھ، کہنے لگے اس کی دلیل میں نے کہا واقعہ عقلاً ممکن اور نقلاً ثابت ہے اور جس ممکن پر نقل صحیح دلالت کرنے والی ہو وہ ثابت پس اس کا وقوع بھی ثابت۔ کہنے لگے اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر بھی ہے؟ میں نے کہا آپ جو نظیر مانگتے ہیں اس نظیر کے لئے بھی نظیر کی ضرورت ہوگی اخیر میں کہیں جا کر آپ کو کوئی واقعہ بلا نظیر کے ماننا پڑے گا تو معلوم ہوا کہ ہر واقعہ کے ماننے کے لئے نظیر کی ضرورت نہیں لہٰذا اس کو بلا نظیر مان لیجیئے جو کام آخر میں جا کر کرنا پڑے گا وہ شروع ہی میں کر لیجیئے۔[1]

رام پور میں ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ میں نے کہا جسمانی۔ کہنے لگے ثبوت میں نے کہا

---

[1] افاضات الیومیہ ص ۳۵۳ ج ۷ ع ۲

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الاٰیۃ اور وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی ۔ اور حدیثیں ۔

کہنے لگے یہ کیا ممکن ہے کہ انسانی جسم ایسے طبقہ سے عبور کرے جہاں ہوا نہ ہو میں نے کہا ہاں ممکن ہے کہنے لگے ثبوت ۔ میں نے کہا امکان نام ہے عدم الوجوب کا اور عدم الامتناع کا جب وجوب اور امتناع نہ ہوگا تو امکان ثابت ہوجائے گا اور چونکہ امکان اصل ہے لہٰذا جو وجوب یا امتناع کا مدعی ہو اس کے ذمہ دلیل ہے ہم اصل سے متمسک ہیں ہمارے ذمہ دلیل نہیں ۔

انھوں تے کہا اور بھی کوئی گیا ہے میں نے کہا یہ نظیر کا مطالبہ ہے ثبوت کا نہیں اور مدعی کے ذمہ نظیر کا پیش کرنا لازم نہیں اس کے علاوہ اس واقعہ کے لئے بھی نظیر کی ضرورت ہوگی پھر اس نظیر ثانی کے لئے بھی نظیر کی ضرورت ہوگی الی غیر النہایہ تو تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے ۔ اور اگر کسی نظیر کو جو کہ ایک واقعہ ہے بلا نظیر آپ مان لیں گے تو اسی واقعہ کو بلا نظیر مان لیجئے ۔ کیونکہ ایک کے بلا نظیر ماننے اور دوسرے کے بلا نظیر نہ ماننے میں ترجیح بلا مرجح ہے ۔ انھوں نے کہا صاحب یہ تو بالکل محال ہے (کہ انسانی جسم بغیر ہوا کے اس طبقہ میں چلا جائے) میں نے کہا مستبعد ہی محال نہیں اور مستبعد کا وقوع خرق عادت کے طور سے ممکن ہے ۔

استبعاد اور چیز ہے اور استحالہ (محال) اور چیز ہے (دونوں میں فرق ہے) مگر وہ کسی طرح نہ سمجھے اپنی ہی ہانکتے رہے ۔

آج کل اکثر لوگ جس درجہ کا سوال کرتے ہیں اس درجہ کا فہم نہیں رکھتے اس لئے جواب نہیں سمجھتے اور اہل علم کی خطا نکالتے ہیں کہ جواب

نہیں دے سکتے ۔ ۱؎

عقلاً و نقلاً یہ بات محقق ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہوتے ہیں ۔ جب تک کہ کوئی قوی صارف نہ ہو۔ ورنہ پھر نصوص کوئی چیز ہی نہ رہیں گے ۔ جو جس کے خیال میں آیا اپنی رائے سے کہہ دیا۔ پھر یہ کہ تمہاری کوئی کسطرح ماننے لگا جب کہ سلف کے اتنے بڑے طبقہ کی تم نہیں مانتے پھر جب تمہارے زعم کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین ائمہ مجتہدین کسی مسئلہ کو نہ سمجھ سکے تو تم بدعقل ، و بدفہم کیا سمجھو گے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب ہی میں معراج ہوتی بیداری میں نہ ہوتی تو جس وقت کفار نے تکذیب کی اور کہا کہ بیت المقدس کا نقشہ بیان کرو اور فلاں فلاں چیزیں بتلاؤ تو حضور فرما دیتے وہ تو ایک خواب تھا اس سوال سے آپ کو جواب دینے کا خاص اہتمام کیوں ہوتا اور یہ اختلاف ہی نہ پڑتا ۔ ۲؎

آج کل بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ دلیل کس کو کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے نظیر کا نام دلیل رکھا ہے۔ ایک انگریزی خواں رئیس نے مجھ سے پوچھا کہ معراج کے وقوع کی کیا دلیل ہے ۔ میں نے کہا کہ دلیل یہ ہے کہ وہ فی نفسہ ممکن ہے پھر مخبر صادق نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے پس یہی دلیل ہے ۔ کہا کیا کوئی اور بھی آسمانوں پر گیا ہے دیکھئے وہی نظیر کا سوال کیا ان کے نزدیک دلیل وہ تھی کیونکہ وہ نظیر کو دلیل سمجھے ہوئے تھے میں نے جواب دیا جس کا حاصل یہ تھا کہ اس اصل پر دوسرے کا

۱؎ دعوات عبدیت ص۱۸۶ ج ۲ ۔ ۲؎ افاضات الیومیہ ص۳۹۵ ج ۶ ششم ۲

آسمان پر جانا بھی تب ثابت ہوگا جب اس سے پہلے تیسرا گیا ہو پھر تیسرے کے بارے میں یہی سوال ہوگا آگے چوتھے کی بابت بھی یہی سوال ہوگا تو اس سے کیا ثابت ہوا، کہنے لگے اس سے تسلی نہیں ہوتی۔ میں نے کہا اب تسلی کا صرف یہ طریقہ باقی ہے کہ میں خود یہاں بیٹھا ہوا اچکوں اور چھت پھٹ جائے اور میں اڑتا ہوا چلا جاؤں۔ سو یہ قدرت سے باہر ہے یہ ان لوگوں کا علم ہے [1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اشکال
اور حضرت تھانویؒ کا جواب

ـــــ ایک منشی صاحب کے خیالات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعوں جیسے تھے قاضی صاحب نے انؒ سے کہا کہ مولوی صاحب آئے ہیں آپ کو جو شبہات ہوں ان کو دور کر لیجئے وہ بولے میرے شبہات کوئی کیا دور کرے گا میرا شبہہ تاریخی ہے۔

حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) حضرت تو میں نے بڑھا دیا وہ تو صرف معاویہ کہتے تھے) نے حضرت علی رضی اللہ کو برا بھلا کہنے اور نقصان پہونچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا جس کی شاہد تاریخ ہے اور حدیث میں ہے مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَقَدْ سَبَّنِیْ (جس نے میرے صحابہ کو برا کہا اس نے مجھ کو برا کہا) اور حضرت معاویہ کے بارے میں منقول

---

[1] کلمۃ الحق ص۱۰۹

ہے کہ وہ حضرت علی کی شان میں (بہت) کچھ کہتے سنتے تھے پس وہ بھی اس حدیث کی وعید میں داخل ہیں اس لئے ان کو سمجھنا بھی درست ہے۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ وہ اس حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہیں اس حدیث میں مَنْ سے مراد صحابہ کرام کے علاوہ ہیں حضرت معاویہ مَن کے عموم میں داخل ہی نہیں۔ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میری اولاد کو جو شخص بھی برا کہے گا۔ یا جو شخص میرے لڑکے کو آنکھ دکھائے گا اس کے لئے مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا۔ تو ظاہر ہے کہ یہاں پر "جو شخص" سے مراد وہی ہوتے ہیں جو کہ اس کی اولاد سے خارج ہوتے ہیں ورنہ اگر اس کے دو لڑکے آپس میں لڑنے لگیں تو ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن نہیں ہوتا محاورات میں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اگر اس کا دوسرا بیٹا اپنے بھائی کو آنکھ دکھلائے تو اس کی آنکھ نکال لے گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی غیر ایسا کرے گا تو اس کی یہ سزا ہوگی اس بنار پر حدیث کے یہ معنیٰ ہونگے کہ اگر کوئی غیر صحابی مثلاً میں یا آپ صحابہ کو برا بھلا کہیں یا کسی صحابی کی شان میں گستاخی کریں خواہ وہ علیؓ ہوں یا معاویہ رضی اللہ عنہما تو البتہ ضرور اس وعید میں داخل ہونگے یہ نہیں کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کو کہے

وہ صاحب چپ ہو گئے اور دوسرے شخص سے کہنے لگے یہ ذہانت کی بات مولوی صاحب نے کہہ دی میں نے کہا ٹھیک بات تو ذہانت ہی کی ہوتی ہے اور کیا میں غباوت کی بات کہتا[1]

---

[1] دعوات عبدیت ص ۱۴۱ ج ۵ و ص ۱۶۰ ج ۱۹

ایک اشکال اور اس کا جواب

ایک کم علم مگر ذہین شخص نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں جو جنگ ہوئی اس میں حضرت معاویہ کا یہ فعل کس درجہ کا ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی حضرت معاویہ کی اجتہادی خطا ہے اس لئے وہ امر خفیف ہے حضرت والا نے فرمایا کہ یہی ہمارے بزرگوں کا عقیدہ ہے یہ سن کر وہ شخص کہتا ہے کہ جس درجہ کا شخص ہوتا ہے اسی درجہ کی اس کی خطا ہوتی ہے اس لئے اس خطا پر بھی شدید سزا ہونی چاہیئے مولوی صاحب نے فرمایا کہ ارے یہ کیا تھوڑی سزا ہے کہ ایک صحابی پر ہم نالائق یہ حکم کریں کہ انھوں نے خطا اجتہادی کی ورنہ ہمارا کیا منہ تھا ہم گندے نالائق اور وہ صحابی۔ فرمایا واقعی عجیب غریب جواب ہے [1]

عجیب جواب

ایک شیعی مجتہد نے وعظ میں اعتراض کیا کہ حضرت معاویہ کے لشکری حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کرتے تھے بخلاف حضرت علی کی جماعت کے اس سے اندازہ کر لیا جائے فوراً حضرت نے فرمایا پھر تو ہم حضرت علی کی جماعت کے مذہب پر ہوئے کیونکہ ہم کسی کے بارے میں گستاخی نہیں کرتے اور تم گستاخی کرتے ہو۔ [2]

---

[1] الافاضات الیومیہ ص ۳۱ ج ۱ [2] کلام الحسن ص ۱۲۹

Scanned by CamScanner

باب (۱۰) مفید نمونے

واقعۂ قرطاس سے حضرت عمرؓ پر اشکال و جواب

یہ اعتراض صرف حضرت عمر پر نہیں بلکہ اس میں تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کتمان حق کا اعتراض لازم آتا ہے۔ کیونکہ آپ پر احکام کی تبلیغ فرض تھی اگر کوئی حکم واجب تھا تو آپ نے کیوں نہ ظاہر فرما دیا۔ اگر اس وقت قلم دوات نہیں آئی تھی تو دوسرے وقت تحریر فرما دیتے۔ کیونکہ آپ کئی روز اس واقعہ کے بعد زندہ رہے یہ واقعہ پنجشنبہ کا ہے اور وفات دوشنبہ کو ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو کوئی نیا حکم فرمانا نہیں تھا بلکہ کسی قدیم امر کی تجدید وتاکید مقصود تھی چونکہ حضرت عمر سمجھ گئے اس لئے آپ نے گوارہ نہ فرمایا کہ حضور تکلیف فرمائیں اس کی ایسی مثال ہے کہ طبیب کسی کو زبانی نسخہ بتلا دے پھر براہ شفقت کہے کہ قلم دوات لاؤ لکھ دوں اور مریض یہ دیکھ کر کہ اس وقت ان کو تکلیف ہوگی یہ کہے کہ کیا حاجت ہے اس وقت تکلیف مت دو۔

……

اور الزامی جواب یہ ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھا تھا ھٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کفار نے مزاحمت کی کہ لکھو ابن عبداللہ۔ کیونکہ اسی میں تو جھگڑا ہے۔ اگر ہم رسالت تسلیم کرلیں تو نزاع ہی کس بات کا۔ حضور نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس کو مٹا دو۔ انھوں نے انکار فرمایا پس ایسی مخالفت تو اس میں بھی ہوئی جسطرح حضرت عمر نے مخالفت کی تھی پھر فرمایا کہ الزامی جواب مجھے پسند نہیں مگر بطور لطیفہ کے اس وقت بیان کردیا!![1]

---

[1] دعوات عبدیت مجادلات معدلت ص ۱۸۷ ج ۲

ایک شیعہ عالم کا حضرت عمرؓ کی ذات

پر اعتراض اور حضرت رح کا جواب

ایک شیعی مجتہد نے وعظ میں اعتراض کیا کہ تم حضرت عمر کی فضیلت میں یہ ذکر کرتے ہو کہ انھوں نے بہت فتوحات کیں اس سے تو ان کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (بیشک اللہ تعالےٰ فاجر شخص کے ذریعہ اس دین کو تقویت دے گا) مولانا نے فوراً فرمایا کہ مگر اس سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ جس دین کی حضرت عمر نے امداد کی تھی دین حق تو وہی تھا اور الحمدللہ آج ہم اسی دین پر ہیں [1]

خرگوش کے شکار کے بارے میں اشکال و جواب

ایک دفعہ خرگوش شکار کر کے لائے اور ایک گوشہ میں رکھ دیا مجتہد صاحب بھی ملنے آئے۔ ایک کتا آیا اور خرگوش کو سونگھ کر چلا گیا۔ مجتہد نے کہا مولانا آپ کے شکار کو کتا بھی نہیں کھاتا مولانا نے فوراً فرمایا کہ جی ہاں یہ کتوں کے کھانے کا نہیں۔ بلکہ اس کو تو انسان کھایا کرتے ہیں (شیعہ کے مذہب میں خرگوش کھانا جائز نہیں) [2]

* * *

---

[1] کلام الحسن ص ۱۲۹ [2] ایضاً ص ۱۳۰

ایک عامی شخص کا جزئی مسئلہ کی دلیل کا

مطالبہ اور حضرت تھانویؒ کا جواب

ایک نابینا شخص نے مجھ سے ایک فرعی مسئلہ کی دلیل پوچھی میں نے کہا آپ بڑے محقق معلوم ہوتے ہیں آپ کو ہر بات کی تحقیق کا بڑا شوق ہے اس فرعی مسئلہ کی تحقیق سے مقدم اصول دین کی تحقیق ہے وہ غالباً آپ کر چکے ہوں گے۔ تب ہی فرع کی تحقیق کی نوبت آئی ہے اگر یہ بات ہے تو میں اصل الاصول یعنی توحید کے مسائل کی دلیل پوچھتا ہوں اور اس پر ملاحدہ کے شبہات کروں گا ذرا میرے سامنے بیان تو کیجئے آپ نے اس کے متعلق کیا کیا تحقیق کرلی ہے اور نقلی جواب نہ دینا کیونکہ توحید کے ثبوت کے لئے عقلی دلیل چاہیئے کیونکہ مخاطب غیر مسلمین ہیں کہنے لگے یہ تو میں نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا ڈوب مرو۔ اصل الاصول میں تو تقلید کرتے ہو اور فرع میں تحقیق کا شوق ہوا ہے[1]

بہشتی زیور کے ایک مسئلہ پر ایک صاحب

کا اشکال اور حضرت تھانویؒ کا جواب

میں دیوبند سے سہارنپور جانے کا ارادہ کر رہا تھا، دیوبندی

---

[1] حسن العزیز ص ۲۶۳ ج ۴

میں مجھ کو ایک خط ملا جس میں بہشتی زیور کے اس مسئلہ پر اعتراض تھا کہ مرد مشرق میں عورت مغرب میں اور ان کا نکاح ہو جائے اس کے بعد بچہ پیدا ہو جائے تو نسب ثابت ہو گا۔

جب میں سہارنپور پہونچا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص بازاروں میں یہ اعتراض بیان کرتا پھرتا ہے اور مجھ سے ایک دن پہلے مولانا خلیل احمد صاحب کے پاس بھی آیا تھا اور مولانا کے دو گھنٹے خراب کئے پھر بھی نہیں مانا۔

جب میں سہارنپور پہونچا تو وہ صاحب بغل میں بہشتی زیور دبائے ہوئے آئے۔ میں نے کہا فرمائیے۔ اس نے بہشتی زیور کھول کر سامنے رکھ دیا اور کہا اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے کہا اس کو میں نے چھپنے سے پہلے ملاحظہ کر لیا تھا بعد میں ملاحظہ کی حاجت نہیں کہا کہ اس مسئلہ کی بابت کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا یہ بتلاؤ کہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا یا اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی کہا مسئلہ تو سمجھ میں آگیا وجہ سمجھ میں نہیں آئی میں نے کہا آپ کو کچھ مسائل اور بھی معلوم ہیں۔ کہا ہاں۔ میں نے کہا آپ کو سب کی وجہ معلوم ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا بس اس کو بھی ایسے ہی مسائل کی فہرست میں داخل سمجھ لیجئے۔ اگر وہ کہتا کہ سب کی وجہ معلوم ہے تو میں کہتا کہ میں سننا چاہتا ہوں پھر ایک ایک کو پوچھتا بس وہ شخص بالکل خاموش ہو گیا کہ اب کیا کروں۔

مولانا خلیل احمد صاحب نے خوش ہو کر فرمایا کہ تم نے دو گھنٹہ کا جھگڑا اس قدر جلد ختم کر دیا[1]

---

[1] کلمۃ الحق صـ ۹۸ دعوات عبدیت صـ ۱۴۳ ج ۸

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ملّا بیوقوف ہوتے ہیں جیسے ہم چاہیں گے ویسے ان سے کام لیں گے یہ نہیں سمجھتے کہ علماء اخلاق کی وجہ سے ترکی بترکی جواب نہیں دیتے۔ چالوں کو خوب جانتے ہیں۔ علماء کو چاہیئے کہ ایسی ڈھیل نہ چھوڑیں لوگوں کو بڑی جرأت ہوتی چلی جاتی ہے[1]

اصلاح الرسوم کی بابت ایک صاحب کے اشکالات اور حضرتؒ کا جواب

ایک مولوی صاحب صرف اصلاح الرسوم کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے آئے بڑے جوش میں تھے کہنے لگے کہ مجھ کو اصلاح الرسوم کے بعض مقامات پر شبہات ہیں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے۔ لیکن میری بے ادبی بد تہذیبی معاف کیجئے گا۔ آپ کو تین باتوں میں قسم کھانا ہوگی۔ ایک تو یہ کہ واقعی میرے دل میں شبہہ ہے محض تصنیف نہیں کیا گیا دوسرے یہ کہ اس شبہہ کا جواب میرے پاس نہیں۔ تیسرے یہ کہ صرف تحقیق مقصود ہے اپنے کسی بڑے کی نصرت مقصود نہیں۔ ان تینوں باتوں پر قسم کھا لیجئے گا پھر جو شبہہ ہو فرمائیے اس سے ان کے سب شبہات ختم ہو گئے وہ سمجھے کہ یہ قسم بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔

* * *

اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ نے بذریعہ خط مشورہ

---

[1] دعوات عبدیت ص۱۴۳ ج ۸

دیا کہ آپ اصلاح الرسوم پر نظر ثانی فرمالیں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ میں نظر ثانی۔ نظر ثالث، نظر رابع، سب کرچکا۔ ہر نظر کا وہی نتیجہ نکلا جو نظر اوّل کا تھا اب آپ اصلاح فرمادیں میں اس کو شائع کردونگا لیکن اگر اس سے لوگوں کو ان رسوم میں ابتلاء ہوگیا تو آپ ذمہ دار ہوں گے پھر ان بزرگ نے کوئی جواب نہیں دیا[1]

آپ جن رسوم کو منع کرتے ہیں دوسرے لوگ کیوں نہیں منع کرتے

ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ جن رسوم کو منع کرتے ہیں اور لوگ کیوں نہیں منع کرتے میں نے ان سے کہا کہ یہ سوال جیسے آپ ہم سے کرتے ہیں اور لوگوں سے کیوں نہیں کرتے کہ آپ جن رسوم کو منع نہیں کرتے فلاں کیوں کرتا ہے اگر اس کی تحقیق ضروری ہے اور آپ کو تردد ہے تو جیسے ہم پر سوال ہوتا ہے تو ان پر بھی ہوتا ہے یہ عجیب اندھیر کی بات ہے[2]

مولانا خلیل احمد صاحب سے کسی نے عرض کیا کہ آپ نے تو اس تقریب میں شرکت فرمائی اور فلاں شخص نے یعنی میں نے شرکت نہیں کی یہ کیا بات ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ بھائی ہم نے فتویٰ پر عمل کیا اور اس نے تقویٰ پر عمل کیا یہ تو تواضع کا جواب

---

[1] الافاضات ص ۳۶۸ ج ۲ [2] مزید المجید ص ۲۰

ہے۔ مگر اسی طرح کا سوال مولانا محمود الحسن صاحب سے کسی نے کیا تھا حضرت نے محققانہ جواب دیا کہ عوام الناس کے مفاسد کی جیسی اس کو خبر ہے ہم کو نہیں حضرت نے حقیقت کو ظاہر فرما دیا۔[1]

نمازیں پانچ کیوں مقرر ہوئیں

فرمایا مجھ سے ایک وکیل نے پوچھا کہ نمازیں پانچ کیوں مقرر ہوئیں میں نے کہا تمہاری ناک منہ پر کیوں ہے پشت پر کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اگر پشت پر ہوتی تو بدصورت معلوم ہوتی میں نے کہا بالکل غلط ہے اگر سب کی ناک پشت ہی پر ہوا کرتی تو ہرگز بری نہ لگتی بس وہ چپ رہ گیا۔[2]

حکیم افلاطون کا سوال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکیم افلاطون نے سوال کیا کہ اگر حوادث تیر ہوں اور فلک کمان۔ اور حق تعالےٰ تیر چلانے والے ہوں تو پھر بچ کر کہاں جائے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تیر چلانے والے کے پاس جا کر کھڑا ہو جائے کیونکہ عادةً پاس والے کو تیر سے نہیں مارتے وہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ جواب نبی

---

[1] الافاضات الیومیہ ص۳۶۸ ج ۲ [2] فیوض الخالق ص۲۸

کے سوا کوئی دوسرا دے ہی نہیں سکتا دیکھئے کیسے دقیق مسلہ کو کس طرح حل کیا۔ ؎۱

ڈاڑھی فطری ہے یا غیر فطری سوال و جواب

ایک دہریہ نے مولانا شہیدؒ سے کہا کہ ڈاڑھی تو ایک زائد مد ہے فطری نہیں ہے۔ کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ڈاڑھی نہیں ہوتی وَالزَّوَائِدُ اَوْلٰی بِالْحَذْفِ مولانا نے جواب دیا کہ دانت بھی تو فطری نہیں ہیں کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو دانت بھی نہیں ہوتے اُن کو توڑ دینا چاہیئے یہ سن کر مولانا عبدالحیؒ صاحب نے فرمایا واہ مولانا کیا خوب دنداں شکن جواب دیا ہے ؎۲

علماء پر سے اعتراض دفع کرنے کی بابت ایک صاحب کی فرمائش اور حضرت تھانوی کا جواب

ایک صاحب تشریف لائے اور مہذب عنوان سے تقریر شروع کی کہ آج کل بعض لوگوں کی حالت دیکھ کر رحم آتا ہے جہالت کی وجہ سے علماء پر اعتراض کرتے ہیں۔ بعض نادان آپ کی.

؎۱ کلمتہ الحق ص۹ ایضا ص۱۳۶

Scanned by CamScanner

تصانیف پر اعتراض کرتے ہیں تو دل دکھتا ہے۔ اس واسطے اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک مجمع کریں اس میں آپ اس مسئلہ کی تقریر کر دیں۔

میں نے کہا یہ آپ کی خیر خواہی ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کے علمار سے ایک بڑے درجہ کی اور علمار کی جماعت ہے جن کو ہم مجتہد کہتے ہیں۔ ان پر بھی بعض لوگوں کے اعتراض ہیں۔ پھر ان سے آگے ان سے بھی بڑے درجہ کی جماعت ہے۔ جن کو صحابہ کہتے ہیں اس وقت کچھ نالائق ہیں کہ ان پر بھی اعتراض کرتے ہیں پھر ان سے بھی بڑی ایک ذات ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بھی بعض لوگوں کو اعتراض ہے .... پھر ان سب سے بڑے اللہ میاں ہیں ان پر بھی بعض لوگوں کو اعتراض پس الاھم فالاہم کے قاعدہ سے ترتیب وار کام کیا جائے یعنی سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ اللہ میاں سے اعتراض کو دور کیا جائے پھر اسی طرح ذات مقدسہ سے۔ پھر جب یہ سب ختم ہو جائے گا تو آگے میں وعدہ کرتا ہوں علمار وقت سے اعتراض دور کرنے کا میں اہتمام کروں گا اور الاہم فالاہم کی ترتیب کے بغیر موجودہ علمار سے اعتراض رفع کرنا ضروری نہیں۔

کہنے لگے بیشک ضروری تو نہیں لیکن مضر بھی نہیں۔ اگر آپ اس کا انتظام کر ہی دیں تو کیا حرج ہے۔ میں نے کہا کچھ حرج نہیں لیکن یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم؟ کہنے لگے میں کون ہوں جو حکم کروں۔ میں نے کہا جب مشورہ ہے تو مخاطب کو اختیار ہے کہ وہ مشورہ قبول کرے یا نہ کرے چنانچہ میں قبول نہیں کرتا۔ پس وہ خاموش ہو گئے میں نے کہا دفتر کا وقت آگیا ہے تشریف لے جائیے۔ بس اٹھ کر چلے گئے [1]

---

[1] کلمۃ الحق ص۱۰۱

اور اگر مشورہ ہے تو میں آپ کا شکر گزار ہوں آپ اپنا حق ادا کر چکے آگے میری توفیق تشریف لے جائیے ______

بات یہ ہے کہ آج کل کے اس قسم کے سوالات تحقیق پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ صرف مشغلہ اور علماء سے تمسخر ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ علماء ان کا کھلونا بنیں ان کا منہ الزامی جواب سے بند کر دینا چاہیئے [1]

مولویوں پر ایک الزام اور اس کا جواب

ایک تقریب میں تحصیل دار صاحب علماء پر اعتراض کر رہے تھے کہ مولویوں نے قوم کو تباہ کر دیا ہے۔ انگریزی تعلیم سے روکتے ہیں میں بھی ایک کنارہ پر بیٹھا سن رہا تھا میری عمر لڑکپن کی تھی بہت دیر تک خاموش رہا جب وہ بہت زیادتی کرنے لگے تب میں نے کہا جناب یہ مسئلہ تو دوسرا ہے کہ یہ تعلیم جائز ہے یا نہیں۔ اس وقت میں صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ انگریزی نہ پڑھنا جس کو آپ مولویوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں یہ منسوب کرنا صحیح ہے یا غلط حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذمہ دار خود قوم ہے۔ تکاسل سستی کی وجہ سے دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئی ہے یہ مولویوں کا اثر نہیں ہے ورنہ مولوی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ انگریزی نہ پڑھو عربی پڑھو اگر انگریزی کا ترک مولویوں کے کہنے سے کرتے تو عربی بھی ضرور پڑھتے اب بتلاؤ عربی کتنے لوگ پڑھتے ہیں پس دنیا بھر میں جو نقص واقع ہوا اس کے

---

[1] حسن العزیز ص ۲۶۵ یالیو

ذمہ دار غریب مولوی بنائے جاتے ہیں [1]

علی گڑھ کے پروفیسر صاحب سے ایک مکالمہ

علی گڑھ میں ایک صاحب میرے پاس آئے جو کالج میں عربی و انگریزی کے پروفیسر تھے اور وہاں دونوں زبانوں میں یکتا مشہور تھے۔ انہوں نے ایک حدیث کا متن پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں زنا کی کثرت ہوتی ہے وہاں طاعون پھیلتا ہے۔ اور یہ کہا کہ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ حدیث کا مدلول (مطلب) سمجھ میں نہیں آیا یا جنایت اور عقوبت میں ارتباط (جرم اور اس کی سزا کا جوڑ) سمجھ میں نہیں آیا کہا کہ ارتیطاط سمجھ میں نہیں آیا۔

میں نے کہا کہ ارتباط نہ سمجھنے سے ضرر کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ ضرر تو کچھ نہیں ہوا لیکن معلوم ہونے میں نفع تھا میں نے کہا کہ وہ نفع کیا تھا؟ کہنے لگے اطمینان ہو جاتا۔ میں نے کہا کہ خود اطمینان کے مطلوب ہوتے کی کیا دلیل؟ کہنے لگے وسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ولکن لیطمئن قلبی۔ میں نے کہا اور اس کی کیا دلیل کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان مفید تھا تو آپ کو بھی مفید ہوگا؟ کیوں کہ ممکن ہے ایک شئی کسی کو مفید ہو اور کسی کو مفید نہ ہو جیسا کہ دواؤں میں مثلاً ہے کہ ایک دوا ایک شخص کو موافق ہوتی ہے دوسرے کو موافق نہیں ہوتی اسی پر وہ خاموش ہوگئے۔

ان کے چلے آنے کے بعد میں نے دوستوں کے سامنے اس حدیث کے متعلق ایک تحقیق بیان کی جو میرے ذہن میں تھی جس سے زنا اور طاعون کے درمیان

---

[1] کلام الحسن ص ۱۳۸

ارتباط جو ظاہر ہوتا ہے۔ احباب کہنے لگے تم نے یہ تحقیق ان پروفیسر صاحب کے سامنے کیوں نہ بیان کردی؟ وہ بہت خوش ہوتے۔

میں نے کہا تم نہیں جانتے یہ لوگ حکمتوں کو احکام کی بنا قرار دیتے ہیں ان کو حکمت بتلانا ان کے مرض کو بڑھانا ہے ان کے لیئے اسی جواب کی ضرورت ہے کہ حکمت کا جاننا کیا ضروری ہے؟ اور آپ لوگ حکمت کو بنائے احکام نہیں سمجھتے۔

دوسرے یہ کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قصہ سے اطمینان کے مطلوب ہونے پر استدلال کرتے ہیں تو اول تو یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حق تعالٰے سے طلب اطمینان کا اظہار کیا تھا مخلوق سے انہوں نے اطمینان نہیں چاہا تھا پھر تم مخلوق سے اطمینان کے طالب کیوں ہوئے

دوسرے وہاں حق تعالٰے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اطمینان مشاہدہ سے کردیا تھا۔ مردہ کو زندہ کرکے دکھلادیا تھا جس میں شبہ کی گنجائش نہ تھی اور میں اگر ان پروفیسر صاحب کا اطمینان کرتا تو مقدمات ظنیہ سے کرتا جو ممکن ہے کسی وقت ٹوٹ جاتے۔ یا کم از کم مخدوش ہوجاتے۔ تو پھر ان کا اطمینان بھی رخصت ہوجاتا۔ اور اطمینان زائل ہونے کے بعد وہ حدیث کی بھی تصدیق نہ کرتے کیوں کہ ان کے ذہن میں حدیث کی صحت ان ہی مقدمات پر مبنی تھی۔ اس لیئے ان کے سامنے یہ تقریر مناسب نہ تھی۔ میں جواب دینے میں سائل کے مزاج کا اتباع نہیں کرتا بلکہ اس کے مرض کا علاج کرتا ہوں تاکہ اس کو اپنی غلطی پر تنبہ ہو[1]

---

[1] الدوام علی الاسلام صہ ۳۹۸ ملحقہ محاسن اسلام

علی گڑھ والوں کے متعلق ایک ڈپٹی صاحب

کا سوال اور حضرت کا جواب

ایک رئیس زادہ جو علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے پھر بعد میں ڈپٹی کلکٹر بھی ہو گئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو علیگڑھ والوں سے نفرت ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر کہتا ہوں کہ نفرت ہے تب تو ان کی دل آزاری ہوگی اور اگر نہیں کہتا تو چاپلوسی ہے جو واقع کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ بعض وجوہ سے نفرت تو ہے ہی اللہ تعالےٰ نے دل میں جواب ڈال دیا میں نے کہا علی گڑھ والوں کی ذات سے تو نفرت نہیں مگر افعال سے نفرت ہے کہنے لگے وہ کیا افعال ہیں میں نے کہا ہر فاعل کے افعال جدا جدا ہیں کہنے لگے مثلاً میرے کیا افعال ہیں میں نے کہا ہاں میں جانتا بھی ہوں بعضے نظر آ رہے ہیں مگر عام مجمع میں ظاہر کرنا مناسب نہیں (ان کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی) نیز نہ ابھی مجھ کو یہ اطمینان کہ آپ نیک نیتی سے پوچھ رہے نہ آپ کو یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ خیر خواہی سے کہہ رہا ہے اس لئے اچھی صورت یہ ہے کہ آپ چند روز میرے پاس خاموشی سے رہیئے جب دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں گے اس وقت بتلانا مفید ہو سکتا

ہے پھر کچھ بولے نہیں یہ جواب ایسا تھا کہ نہ وہ مجھ کو متعصب کہہ سکتے تھے اور نہ چاپلوسی سمجھی جا سکتی تھی اس کے بعد وہ وعظ میں شریک ہوئے ـــــ پھر ایسے معتقد ہوئے کہ اپنی بیوی وغیرہ کنبہ والوں کو مرید کرایا ڈاڑھی بھی رکھ لی اب بہت نیک ہیں [۱]

میلاد کے بارے میں دو مولویوں کا مکالمہ

فرمایا مولانا تراب صاحب اور مفتی سعد اللہ صاحب میں میلاد کے مسئلہ میں اختلاف تھا مولوی تراب صاحب میلاد کے قائل تھے اور مفتی صاحب منع کرتے تھے ایک بار ملاقات ہوئی مولوی تراب صاحب نے کہا ابھی آپ کا انکار ہی چلا جاتا ہے ... مفتی صاحب نے کہا کہ اور ابھی آپ کا اصرار ہی چلا جاتا ہے مولوی تراب صاحب نے کہا واللہ ہم صرف محبت سے کرتے ہیں مفتی صاحب نے کہا ہم صرف متابعت (اتباع سنت) کی وجہ سے منع کرتے ہیں اس پر مولوی تراب صاحب نے کہا الحمد للہ ہم دونوں ناجی ہیں [۲]

ایک مالدار اور غریب کا مکالمہ

سفر حج میں ایک مالدار اور ایک غریب کا عجیب مکالمہ ہوا غریب کو ناداری کی وجہ سے کچھ تکلیف پہونچی اسے دیکھ کر امیر نے کہا ناخواندہ مہمان کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ اور جب تم کو بلایا

---

[۱] کلمۃ الحق ص ۲۱۱

[۲] کلام الحسن ص ۱۴

نہیں گیا تو آئے کیوں۔ ہمیں دیکھو اللہ میاں نے بلایا ہے تو کس طرح کا آرام پہونچایا ہے۔ غریب نے کہا کہ تم سمجھتے نہیں ہم تو گھر کے آدمی ہیں تقریبات میں گھر والوں کی رعایت نہیں ہوا کرتی جیسی براتی مہمان کی ہوتی ہے۔ مگر وہ اجنبی ہوتا ہے اسی لئے اس کی خاطر ہوتی ہے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو جو کہ سب سے زیادہ مقرب ہیں ظاہری ساز و سامان کم ملتا ہے اس لئے ہماری پوچھ کم ہے اور تنہائی زیادہ ہے۔ [1]

ایک بزرگ کو گدھے کی سواری پر سوار ہونے کی بادشاہ کی فرمائش اور ان کا جواب

گنگوہ کے ایک بزرگ اہل باطن سنت کے پابند تھے ایک دفعہ بادشاہ کے بعض حاسد درباریوں نے کہا کہ جہاں پناہ یہ بہت بزرگ بنتے ہیں۔ ان کا امتحان ہونا چاہیئے۔ ان سے یہ کہا جائے کہ گدھے کی سواری سنت ہے۔ آپ سوار ہو کر بازار میں نکلیں بادشاہ نے ان سے جب کہا تو بزرگ نے کیا معقول جواب دیا فرمایا کہ ہاں سنت تو ہے مگر یہ بھی صاحب شریعت ہی کا حکم ہے کہ اتہام (تہمت)

---

[1] کلام الحسن ص ۱۰۴

Scanned by CamScanner

کے موقع سے بچو۔ میں اگر گدھے پر چڑھ کر بازار سے نکلوں گا تو لوگ سمجھیں گے ان پر شاہی عتاب ہوا ہے اس لئے دو گدھے منگوائیے ایک پر میں سوار ہوں ایک پر آپ تاکہ کوئی یہ نہ شبہہ کرے کہ ان پر عتاب ہوا ہے بادشاہ چپ رہ گئے یہ بڑی دلیری اور قوت کی بات ہے [1]

کوئی کافر جہنم میں نہیں جائے گا

امام صاحب کی ذہانت

امام صاحب کی مجلس میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ کوئی کافر جہنم میں نہ جائے گا اس کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب نے شاگردوں سے فرمایا جواب دو سب نے عرض کیا کہ یہ شخص کافر ہے اور نصوص کا انکار کرتا ہے امام صاحب نے فرمایا اس کے قول کی تاویل کرو شاگردوں نے عرض کیا ناممکن ہے۔

فرمایا یہ تاویل ہے کہ جہنم میں جانے کے وقت کوئی شخص اس وقت کافر نہ ہوگا یعنی لغوی اعتبار سے کافر نہیں ہوگا بلکہ لغوی اعتبار سے مومن ہوگا گو شرعی کافر ہوگا کیونکہ اس وقت حقائق کا انکشاف اس پر ہو جائے گا اور کسی واقعی امر کا وہ منکر نہ ہوگا بلکہ بعض انکشافات اس وقت کافر کو زائد ہوں گے مومن کو نہیں ہوں گے کیا ٹھکانہ

---

[1] کلمۃ الحق ص ۱۵۰

ہے امام صاحب کی ذہانت اور احتیاط کا۔ [1]

حضرت گنگوہیؒ کا قسم کھا کر کہنا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

فرمایا مولانا گنگوہیؒ تمام مجاہدات کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں کچھ نہیں ہوں اس پر ایک مکتوب میں قسم کھائی ہے۔ اس قسم کی بنا پر ایک مخالف شخص کہتا ہے کہ مولانا بالکل سچ ہیں ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ واقعی کچھ نہیں ہیں لیکن ایک معتقد مولوی صاحب حیران تھے اگر مولانا گنگوہیؒ کامل ہیں تو قسم جھوٹی ہے اور اگر سچے ہیں تو واقعی کچھ بھی نہیں پھر ہم کمال کا اعتقاد کیسے رکھیں مجھ سے سوال کیا۔

میں نے جواب دیا کمال دو قسم کے ہوتے ہیں ایک واقع دوسرا متوقع۔ ہم کمال واقع کے اعتبار سے معتقد ہیں اور قسم کمال متوقع کے لحاظ سے ہے مثلاً شرح جامی پڑھنے والا اوپر کے فنون کے بارے میں کہے گا کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر میزان والے کی بہ نسبت تو وہ عالم ہے تو مولانا کی قسم بھی صحیح اور ہمارا اعتقاد بھی درست [2]

---

[1] الافاضات ص۲۵۶ ج ۲ [2] کلمۃ الحق ص۸

انا الحق کا دعویٰ فرعون اور منصور دونوں نے کیا لیکن ایک مقبول اور دوسرا مردود کیوں ہوا؟

ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلٰی کہا اور مردود ہو گیا اور منصور نے انا الحق کہا اور مقبول ہو گیا۔ اس کا کیا سبب ہے حالانکہ دونوں کا دعویٰ یکساں ہے جواب ملا کہ فرعون نے تو ہمارے مٹانے کے واسطے کہا تھا اور منصور نے اپنے مٹانے کے واسطے کہا کیونکہ منصور نے تو اپنے کو فنا کیا اور فرعون نے حق تعالیٰ کی نفی کی۔ [1]

ایک مکالمہ

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے بھتیجوں کو کیا پڑھایا میں نے کہا ایک میرے پاس علم دین پڑھتا ہے باقی اپنے والد کے پاس ہیں وہ انگریزی میں مشغول ہیں کہنے لگے اس کے واسطے آپ نے کچھ ترقی کی فکر نہیں کی آپ کے بھائی تو بڑے صاحبِ استطاعت ہیں ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلا سکتے تھے اور عربی پڑھنے کے لئے تو دیوبند

---

[1] کلمۃ الحق ص۹

کے طالب علم کافی تھے

میں نے کہا سبحان اللہ آپ لوگوں نے زبانی دعووں سے تو ہمدردی کا بڑا غل مچا رکھا ہے مگر قوم کے ساتھ یہ کیسی آپ کی ہمدردی ہے کہ غریبوں کے لئے تو ترقی نہیں چاہتے۔ وہ تو دیوبند میں ادنےٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور امیروں کے لئے ترقی چاہتے ہیں۔ کیا دیوبند کے طالب علم قوم میں نہیں۔ اگر ترقی اچھی چیز ہے تو دیوبند کے طالب علموں کے متعلق بھی آپ نے یہی رائے کیوں نہ دی کہ علم دین کو چھوڑ کر وہ بھی ترقی کی فکر میں پڑیں اور اگر ترقی بری چیز ہے تو میرے بھتیجے کے لئے کیوں پسند کی جاتی ہے۔

……

یہ کیا انصاف ہے کہ آپ کے نزدیک پستی کے لئے تو دیوبند کے طالب علم رہ گئے۔ اور عیش و آسائش کے لئے آپ لوگ۔ افسوس عقل اور ہمدردی کا مقتضیٰ یہ تھا کہ آپ کی رائے اس کے برعکس ہوتی کیونکہ آپ لوگوں کو دنیا بقدر ضرورت حاصل ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو دنیا بقدر ضرورت بھی حاصل نہیں ان کو دنیاوی ترقی کی ضرورت تھی مگر ان کے لئے آپ یہ رائے دے رہے ہیں کہ وہ ترقی نہ کر سکیں بس آپ ہی ترقی کرتے رہیں۔ آپ کے لئے علم دین کی کچھ ضرورت نہیں کیوں صاحب اس کے لئے دیوبند کے طالب علم کیوں کافی ہیں کیا دین فقط انھیں کا ہے۔ آپ کا دین نہیں ؟ آپ کے ذمہ دین کا کوئی حق نہیں ؟ مجھے سمجھائیے تو اس جملہ کا کیا مطلب ہے کہ عربی پڑھنے کے لئے دیوبند کے طلبہ بہت کافی ہیں بس اس کا کچھ جواب نہ تھا یہ عجیب رائے ہے۔ التبلیغ صـ ١٢٦ ج ١

چند مفید نمونے

آج کل یہ حالت ہے کہ لوگ ضروری باتیں تو دریافت کرتے نہیں وہ مسائل پوچھتے ہیں جن سے کبھی نو اسطے پڑے۔ یا وہ مسائل پوچھتے ہیں جو پہلے سے معلوم ہیں تاکہ مولوی صاحب کا امتحان ہوسکے۔

(۱) چنانچہ رام پور میں ایک صاحب نے مجھ سے اختلافی مسائل پوچھے جن میں میرا مسلک ان کو معلوم بھی تھا میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے میرا امتحان مقصود ہے۔ میں نے کہا آپ امتحان کے لئے پوچھتے ہیں یا عمل کے لئے۔ اگر عمل کے لئے پوچھتے ہیں تو اس کے لئے مسؤل سے اعتقاد ہونا شرط ہے۔ اور آپ مجھے جانتے بھی نہیں تو میرے معتقد کیسے ہوگئے اور محض نام سننا کافی نہیں۔ نام تو نا معلوم کتنوں کا سنا ہوگا اور اگر امتحان کے لئے پوچھتے ہیں تو آپ کو میرے امتحان کا کیا حق ہے بس وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ میں ایسا روگ نہیں پالتا کہ ہر شخص کے سوال کا اس کی مرضی کے موافق جواب دیا کروں۔ جہاں میں دیکھتا ہوں کہ سوال سے مقصود عمل نہیں ہے وہاں کبھی جواب نہیں دیتا[1]

(۲) ایک طالب علم سے کسی متکبر نے کہہ دیا کہ مسجد کا مینڈھا (جیسے آج کل لوگ کہا کرتے ہیں کہ ملا کی دوڑ مسجد تک) اس نے کہا بلا سے پھر بھی دنیا کے کتوں سے تو اچھے ہی ہیں اس جواب میں لطیفہ یہ ہے کہ اہل دین کے لئے جو وہ لقب تجویز کرتے ہیں وہ تو دعویٰ ہے جو دلیل کا محتاج ہے مگر دنیا کا کتا یہ ان کا اقراری لقب ہے اور المرءُ یوخذ باقرارہ

(۳) ایک صؔ نے لکھا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے میں نے جواب میں

---

[1] التبلیغ اسباب الفتنہ ص ۱۲۷ ج ۱۰

لکھا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ علماء سے اختلاط نہیں کرتے (ان کی صحبت میں نہیں رہتے) اگر ایسا کریں تو بہت سے شبہات حل ہو جائیں [۱]

(۴) ایک رئیس کا بچہ عربی پڑھتا تھا اس سے ایک افسر پولیس نے جو ہتھیار لگائے ہوئے تھا اور اس کی ہیئت ایسی مہیب تھی کہ اس کے سامنے ایسا ویسا آدمی بات بھی نہ کر سکے اس نے یہ سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ عربی پڑھنے والے بہت سر منڈواتے ہیں۔ بچے نے بے دھڑک جواب دیا کہ یہ کیا بات ہے کہ انگریزی پڑھنے والے ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ بس وہ چپ ہی تو رہ گئے۔ اگر کوئی غریب قوم کا بچہ ہوتا تو یہ جواب ہرگز نہ دیتا [۲]

(۵) ایک سائنس داں اسکول کے طالب علم نے ایک عربی مدرسہ کے طالب علم سے پوچھا کہ بتاؤ آسمان میں کل ستارے کتنے ہیں اس نے جواب دیا کہ تم یہ بتاؤ کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں اس نے کہا یہ تو مجھ کو معلوم نہیں طالب علم نے کہا افسوس ہے کہ تم کو زمین کی چیزوں کا بھی پورا علم نہیں جس میں تم رہتے ہو اور مجھ سے آسمان کی چیزوں کی تعداد پوچھتے ہو جو تم سے ہزاروں کوس دور ہے بس وہ چپ ہی تو رہ گئے [۳]

(۶) کانپور میں ایک مرتبہ عدالت میں جانے کا اتفاق ہوا ایک فتوے پر میں نے دستخط کر دیئے تھے دستخط کرنے والے علماء میں سے

---

[۱] دعوات عبدیت ص ۱۴۲ ج ۸ ملفوظات [۲] التبلیغ ص ۱۴۱ ج ۱ [۳] ایضاً ص ۱۶۸ ج ۱

جس عالم پر ایک فریق راضی ہوتا تو دوسرا راضی نہ ہوتا۔ مجھ پر فریقین نے رضامندی ظاہر کی ـــــ مجھے جانا پڑا مجھ سے سوال کیا گیا کہ آپ عالم ہیں اس وقت مجھے بے حد خلجان ہوا اگر انکار کروں تو وکلا اس قسم کی تواضع کو کیا جانیں کہ یہ انکار تواضعاً ہے۔ چنانچہ لوگوں نے تواضعاً انکار کیا اور وہ واقعی انکار سمجھ گئے اور اگر یہ کہوں کہ عالم ہوں تو اوّلاً اپنی وضع کے خلاف اور ثانیاً یہ کہ عالم ہوں کہاں دونوں پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے میں نے کہا کہ مسلمان مجھے ایسا ہی سمجھتے ہیں اور چند سوال ایسے ہی پیچیدہ کئے گئے تھے میں نے سب کے جوابات میں مصلحت وقت اور اپنی وضع کو پوری طرح ملحوظ رکھا وکلا نے باہر آکر مجھ سے کہا ماشاء اللہ بہت اچھا جواب دیا اس وقت تو ہم بھی چکر میں آگئے تھے کہ دیکھئے اس کا کیا جواب ہوتا ہے یہ خدا کا فضل ہے کہ قلت تجربہ کے باوجود ضروری مصالح کے طریقے ذہن میں آجاتے ہیں [1]

(٧) ایک صاحب نے لکھا کہ (اگر بدتمیزی کے مضمون سے اشتعال ہوتا ہے تو) بدتمیزی کی برداشت بھی کرنا چاہیئے۔ میں نے ان کو لکھا کہ کوئی کام تم بھی کرو کیا سب کام میرے ہی ذمہ ہے تم تو شیخ ہو جب ہی تو مجھ کو تعلیم دے رہے ہو [2]

(٨) تعلیمات کے ایک انسپکٹر صاحب تھے وہ جہاں جاتے تھے لڑکوں سے پوچھا کرتے تھے بتلاؤ کہ موجودات کی کتنی قسمیں ہیں وہ کہتے کہ تین قسمیں ہیں۔ جمادآت۔ نباتآت۔ حیوآنات۔ پھر پوچھتے کہ بتلاؤ میز کس قسم میں ہے اگر لڑکے نے اس کو نباتات کہہ دیا تو وہ کہتے کہ اس میں نمو بڑھنے

---

[1] التبلیغ ص ٨٦ [2] ملفوظات ص ٩١

کی شان) کہاں ہے۔ اور اگر جمادات کہہ دیا تو کہتے یہ تو لکڑی ہے اور لکڑی درخت کی ہے اور درخت نباتات میں سے ہے غرض لڑکوں کو بہت دق کرتے تھے۔ ایک لڑکا بہت ذہین تھا اس نے کہا موجودات کی چار قسمیں ہیں حیوانات۔ نباتات۔ جمادات اور متفرقات۔ پس جو چیز ان قسموں میں داخل نہ معلوم ہوتی اس کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ متفرقات میں سے ہے بس اس کے بعد ان کا سوال ختم ہوگیا۔ [1]

(۹) ایک جگہ تقریب میں پہونچا تو ایک شخص نے نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ایک کتاب میں تقلید کے خلاف ایک مضمون دکھلایا اور پوچھا کہ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو نواب صاحب کے لکھے ہوئے مضمون میں کچھ تردّد ہے یا نہیں وہ آدمی۔ ہوشیار تھا میری غرض سمجھ گیا اور خاموش ہوگیا [2]

(۱۰) ایک مجذوب صاحب سے کسی نے پوچھا کہ عقل کیا چیز ہے فرمایا کہ جو خدا کو پائے۔ پھر پوچھا کہ خدا کیا چیز ہے فرمایا جو عقل میں نہ آئے [3]

(۱۱) مکہ میں مجھے ایک جاہل نے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنّت ہے۔ میں نے کہا تم لنگی کیوں نہیں باندھتے یہ بھی سنّت ہے۔ سوچ کر کہنے لگے میں بوڑھا ہوں لنگی میرے جسم پر ٹھیرتی نہیں۔ میں نے کہا میں جوان ہوں۔ عمامہ سے گرمی لگتی ہے اس پر بہت جھلائے کہنے لگے خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے [4]

(۱۲) ایک انگریز نے مجھے تمام جگہ کی سیر کرائی جب میں واپس ہونے لگا

---

[1] بدائع ص ۱۴۸ [2] مجالس حکیم الامت ص ۱۹۹ [3] ایضاً ص ۱۹۵ [4] الحدود والقیود ص ۳۵

Scanned by CamScanner

تو اس انگریز کا میں نے ان الفاظ سے شکریہ ادا کیا کہ آپ کے اخلاق سے بہت جی خوش ہوا آپ کے اخلاق تو ایسے ہیں جیسے مسلمانوں کے ہوتے ہیں۔ میں نے اس سے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ سب تم نے ہمارے ہی گھر سے لیا ہے۔ یہ کوئی تمہارا یا تمھاری قوم کا کمال نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں ہی کا صدقہ ہے کیونکہ مسلمانوں کے اخلاق عرف کے تابع نہیں حقیقت کے تابع ہیں [1]

(۱۳) ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کا عذاب کیوں مقرر کیا یہ تو بہت بڑھ کر ہے اس سے کم بھی تو ہو سکتا تھا فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی بھی تو بہت بڑھ کر ہے اس سے کم بھی تو ہو سکتی تھی [2]

(۱۴) بیعت کے بارے میں ایک شخص کا خط آیا ہے کہ میں نے بہت دن سوچا تو سوائے آپ کے کوئی نظر نہ آیا اب دیر نہ کیجئے۔ میں تو کہتا ہوں کہ مرید تو سوچے اور پیر کیوں نہ سوچے کہ اس شخص کو مرید بناؤں یا نہیں [3]

(۱۵) ایک صاحب نے کہا کہ اب کوئی شخص بزرگ نہیں رہا فرمایا یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ بزرگ سے تمہاری کیا مراد ہے۔ اگر ریاضت و مجاہدہ مراد ہے تو بیشک اب ریاضت کرنے والے نہیں رہے۔ اور اگر بزرگی سے مراد عند اللہ مقبولیت ہے تو اب بھی ہزاروں ہیں [4]

(۱۶) حضرت والا نے ان سے دریافت کرنا شروع کیا کہ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ میں سلام سے محروم رہا اس کا کیا مطلب ہے آیا آپ نے سلام کیا میں نے جواب نہیں دیا یا آپ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا میں نے

---

[1] الافاضات ص۳۳۸ ج ۲ [2] ملحوظات ص۸۴ [3] کلمۃ الحق ص۱۳۲ [4] القول الجلیل ص۵

ڈھکیل دیا۔ یا آپ نے خود نہ کیا یا میں نے آپ کو ممانعت کر دی تھی[1]

(۱۷) عورت بولی کمبخت میں دودھ نہ بخشوں گی۔ عورتوں کو ایسا کہنے کی۔ عادت ہوتی ہے۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ تو کیا دودھ نہ بخشے گی میں ہی نہ بخشوں گا مجھ کو ایسا ناپاک دودھ پلایا کہ اس کے اثر سے میں اتنے زمانہ تک گمراہ رہا۔ ماں نے کہا تو مجھ سے مرگیا میں تجھ سے مرگئی انہوں نے کہا میں بھی سب سے مرگیا اور مجھ سے سب مرگئے حق کو نہیں چھوڑ سکتا[2]

(۱۸) آسانی کے لئے میں نے شریعت کا مسئلہ عام مجمع میں ظاہر کر دیا لیکن ان ظالموں نے بجائے قدر کرنے کے اعتراض شروع کر دیا کہ ہم نے تو کبھی سنا ہی نہ تھا یہ خوب جاہلوں نے سیکھ لیا ہے کہ ہم نے کبھی نہیں سنا ارے کیا سب مسئلے تمہارے سننے میں آنا ضروری ہیں؟ اگر سب مسئلے سن لیتے تو تم بھی عالم نہ ہو جاتے[3]

(۱۹) بزرجمہر جو نوشیرواں کا وزیر اعظم تھا اس کا قصہ ہے کہ اس سے ایک بڑھیا عورت نے کسی بات کے متعلق سوال کیا بزرجمہر نے کہا کہ مجھ کو اس کی تحقیق نہیں بزرجمہر نے حیرت سے کہا کہ تم کو وزیر ہو کر اس بات کی خبر نہیں ہے؟ پھر تم اتنی بڑی تنخواہ کس بات کی پاتے ہو! بزرجمہر نے کہا کہ اتنی تنخواہ تو میں اپنی معلومات کے عوض میں پاتا ہوں۔ اگر مجہولات کی تنخواہ پاتا تو ہفت اقلیم کے خزانے بھی کافی نہ ہوتے (الدوام علی الاسلام ص۲۹۵)

(۲۰) مولانا محمد یعقوب صاحب سے ایک صوفی نے سماع کے جواز کی دلیل میں یہ شعر پیش کیا ؎ بشنو از نے چوں حکایت می کنند۔ اور کہا کہ اس میں بشنو امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہے۔ اس کا حقیقی جواب

---

[1] مزید المجید ص۳۰ [2] الافاضات ص۲۳۷ ج ۲ [3] التبلیغ ص۶۱ ج ۲۰

تو یہ تھا کہ بے شک امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے مگر کس کے امر سے مولانا رومی کے امر سے یا اللہ تعالیٰ کے امر سے؟ مگر یہ جہلار لوگ تو اس کو کچھ نہ سمجھتے بس ان کو تو اڑتی ہوئی ایک بات ہاتھ لگ گئی کہ امر وجوب کے لیئے ہے وہ جہلار ان باتوں کو کیا جانیں کہ امر کے کتنے اقسام ہیں اس لیئے مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا کہ مولانا رومی کا قول اس وقت حجت ہو جب کہ پہلے خود ان کا حجت ہونا ثابت کیا جائے سو سب سے پہلے تو تم ان کا مسلمان ہونا ثابت کرو بس اس جواب سے تو ان پر مٹی پڑ گئی اور سارے دلائل گائے خورد ہو گئے۔ غرض ہر جگہ جواب کا مختلف طریقہ ہوتا ہے۔ آداب التبلیغ ص ۹۶

فقط

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بیش بہا منتشر علوم کا موضوع وار سلسلۂ انتخاب کا جامع سیٹ

جملہ ملفوظات و مواعظ اور افادات کی موضوع وار ترتیب

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

العلم والعلماء	اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ	اسلامی عقائد اور جدید ذہن کے شبہات و جوابات	اسلامی اخلاق و آداب
استاد و شاگرد کے حقوق تعلیم و تربیت کے طریقے	اصول مناظرہ	اصلاح اعمال	دینی دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام
علوم و فنون اور نصاب تعلیم	آداب تقریر و تحریر	اصلاح نساء اور تربیت اولاد	فنون لطیفہ اور دقائق علمیہ
فقہ حنفی کے اصول و ضوابط	اسلامی شادی اور گھریلو زندگی	معاشی مسائل اور انکا اسلامی حل	تذکرۂ اکابر
آداب افتاء و استفتاء	تزکیۂ نفوس کی ضرورت اور طریقۂ اصلاح	مجموعہ حکایات اور پسندیدہ لطیفے	اسلامی سیاست

ادارہ افادات اشرفیہ ہتورا باندہ (یوپی)